قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی

بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF
DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

جلد نمبر ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق جولائی ۲۰۲۳ء شمارہ نمبر ۱۲

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

مدیر :

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم: دار العلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر: حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند

مدیر مسئول :

مولانا عبداللہ ابن القمر الحسینی

ناظم: شعبۂ نشر واشاعت

دار العلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ	۲۵/روپے
سالانہ علاوہ ڈاک خرچ	۲۵۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۳۲۵/روپے
تاعمر	۵۰۰۰/روپے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدتِ خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شائع کردہ : شعبۂ نشر واشاعت، دار العلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

سرگزشت اسلام

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے	مولانا مفتی محمد احسان قاسمی ندوی	۹
زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی	مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی	۱۲
وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے	مولانا مفتی محمد عارف قاسمی	۱۶
جن کی یادوں سے معطر تھا چمن	مولانا محمد سکندر قاسمی	۱۸
آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو	مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی	۲۳
لوٹ ماضی کی طرف...	مولانا محمد اظہار الحق قاسمی	۳۰
پاک طینت، نیک سیرت...	مولانا امانت علی قاسمی	۳۴
ایک بافیض باتوفیق اور باکمال عالم دین	مولانا محمد سجاد حسین قاسمی	۳۹

سرگزشت اسلام

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مفتی محمد احسان قاسمی ندوی ❖

تقریباً تیس برس پہلے دارالعلوم وقف دیوبند میں میری خدمت انجام دہی کے سلسلہ کا آغاز تھا۔ حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کے عنایت کدہ پر خطیب الاسلام رحمہ اللہ سے گفتگو کرتے اور پھر ایک فائل لے کر نکلتے ایک قدآور باوقار شخص کو دیکھا، تجسس ہوا کہ خطیب الاسلام رحمہ اللہ سے اس طرح گفتگو پھر علامتِ اعتماد کوئی فائل یہ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ محترم مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی دارالعلوم وقف میں استاذ حدیث اور شعبۂ ادب عربی کے معتمد ہیں، خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی بعض تحریروں کی تعریب اور عربی خطوط کے جوابات کے لئے بالخصوص قابل قدر ہیں! یہ میری پہلی اور سرسری ملاقات تھی، بعد ازاں فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی بعد نماز عشاء پر وقار مجالس میں ملاقاتوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا دائرہ مرورِ زمانہ کے ساتھ وسیع ہوتا چلا گیا اور اب آخر کے تقریباً دس سال تو ایسے گزرے کہ جن میں اکثر مصاحبت اور بے تکلفانہ گفتگو رہی۔

اس دورانیہ میں محترم مولانا محمد اسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی صلاحیتیں، ان کے عزائم، ان کی تمنائیں اور ان کی مرجعیت کی حیثیت سے نمایاں شخصیات کا علم ہوتا رہا، عربی زبان وادب کی تعلیم وتدریس کا انہیں ملکہ حاصل تھا، تدریس کے دوران وہ تحت اللفظ ترجمہ کر کے طلبہ کی فہم کو مہمیز دیتے اور پھر معنی خیز ترجمہ کرتے ہوئے اردو کی معیاری تعبیرات استعمال کرتے تھے، عربی کے ساتھ اردو صحافت سے اہم ربط کے باعث ان کا ترجمہ سلیس ہونے کے ساتھ ترجمانی بھی لائق داد ہوتی تھی۔

تدریس حدیث میں وہ متعلقہ عنوان پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے یہ باور کرانے میں کامیاب نظر آتے رہے کہ فیما نحن فیہ مسئلہ کی متعدد وجوہ اور اس کے اطراف وجوانب پر ان کا مطالعہ عمیق ہونے کے ساتھ محفوظ بھی ہے، زبان وادب کی لطافتوں پر عبور کو ظاہر کرتا ہوا ان کا ترجمہ اس مضمون کو ذہن رسا بنانے کے لئے معاون ہو جاتا تھا، دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کے سامنے وہ ہر سال معاشیات اور اس کی سابق

❖ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

وموجود صورتحال کو بیان کرتے ہوئے متعدد شکلوں کا شرعی جائزہ بیان کرتے جب کہ یہ بحث ہفتہ تا دس بارہ ایام پر محیط ہوتی تھی۔

محترم مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب رحمہ اللہ صحافتی میدان کے شاہ سوار تھے، عربی واردو میں ان کی جو مستقل تصانیف ہیں ان کے سوا ان کے اداریوں اور اخبارات وجرائد کے مضامین کو جمع کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان کی تحریروں میں اہم مواد بھی ہوتا تھا اور روانی وچاشنی کے ساتھ جستگی بھی تھی، شستہ تعبیرات اور شگفتہ اسلوب پر دسترس حاصل تھی، ابن الحسن عباسی نے لکھا ہے کہ: قلم انمول، اس کی صدائے حق، سدا بہار اور اس کی سچائی نا قابلِ شکست ہے، شرط یہ ہے کہ قلمکار کو قلم کی اہمیت کا احساس ہو اور وہ اسے پیشہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دے، محترم مرحوم نے اپنے مضامین ہی میں نہیں بلکہ اپنی تصنیفات میں بھی اسے ملحوظ رکھتے ہوئے قلم کو اس کے حقوق سے محروم نہیں ہونے دیا، وہ مثبت اور تعمیری تحریروں کو زیر قلم لاتے تھے اور شخصیات پر ان کی نگارشات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف تعبیرات وزورِ بیانی ہی نہیں بلکہ ان شخصیات سے ربط یا ان کی قدر ومنزلت دل کی گہرائیوں سے نکل کر زیبِ قرطاس ہو رہی ہے بقول شورش کاشمیری ع

صفحۂ کاغذ پر جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا ہے قلم

معاشرتی زندگی میں وہ اپنے اصول رکھتے تھے اور ان اصول کی پاسبانی بھی پیہم کرتے رہے جن لوگوں سے ان کے تعلقات رہے ان کے درمیان معاشرتی تقاضوں کو پورا کرتے، ان کے یہاں آمد ورفت اور نشست بھی اختیار کرتے لیکن غیرت وحمیت سے بھی کبھی غافل نہیں رہتے، معاشرتی طور پر اگر کبھی شکوہ کسی سے ہوا تو اس کی تنبیہات کو وہ دو چار روز سے زیادہ اپنانے پر جیسا کہ قدرت ہی نہ رکھتے ہوں، شکوے شکایتوں کی دوریوں کو محبت وجذبات کے دواعی جلد ہی لپیٹ دیا کرتے تھے مجلس میں ہم نشینوں کی رعایت کرتے لیکن ان کی مصاحبت میں مجلسیں کبھی خشک نہیں بلکہ فصل بہار ہوتیں بقول فروغی بسطامی:

مجلسے نیست کہ بنشینی و غوغا نشود
محفلے نیست کہ برخیزی و محشر نکنی

قصہ مختصر!

اپنی حیات مستعار میں مرحوم نے اپنے اخلاف کے لئے کچھ اہم دروس واسباق چھوڑے ہیں،

شاہ ہو یا گدا کسی کو نہ کوئی اختصاص حاصل ہے نہ کوئی امتیاز، خدائی ضابطہ ﴿کل من علیہا فان﴾ بڑی قوت کے ساتھ بلا کسی رعایت و بلا کسی امتیاز ہر ایک کے لئے نافذ العمل ہے، ضابطۂ خداوندی کے محکم اور غیر مبدل ہونے کا حکم لگاتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ ﴿لا تبدیل لکلمات اللّٰہ﴾ جس کے زیر اثر قیامت تک آنے والی تمام مخلوقات کا ذات حق جل مجدہ کی اس سنت غیر مبدل کے زیر اثر مآل کار یہی ہے، اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا۔ حالانکہ اس سلسلۂ آمد و رفت میں کائنات ارضی پر انسانی شکل میں ایسے جواہرات بھی وجود پذیر ہوتے رہے ہیں، جنہوں نے اس بزم ہستی کو زہد و تقویٰ، اخلاص و وفاء اور فکر و عمل کی سوغات دی ہے، ان عظیم ہستیوں میں سب سے اولین درجہ اور امتیازی مقام حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو حاصل ہے، جنہوں نے انسانوں کو ان کے مقصد حیات سے آگاہی بخشی، راہ ہدایت اور طریق صلاح و فلاح سے روشناس کرایا پھر ان کے بعد حضرات صحابہؓ، تابعین و تبع تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ ہیں جو اس امت کے محسنین ہیں، پھر ان کے بعد حضرات علمائے کرامؒ ہیں جنہیں حضرات انبیاءؑ کا وارث قرار دیا گیا ہے، جنہوں نے اللہ کی عطاء کردہ توفیق، علم و عمل، فکر و نظر اور زہد و تقوی سے اس عالم ہستی کو روشن کیا، ان علماء اور اتقیاء کا درجہ بہ درجہ ایک طویل سلسلہ ہے، اسے سلسلے کی ایک کڑی محترم مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی بھی ہیں، جو اپنے گوناگوں اوصاف و خصائل کی بناء پر امتیازی مقام اور شان تفرد کے حامل تھے، وہ ایک جید عالم دین، مؤلف و مصنف، انشاء پرداز، صاف گو، راست گو، حق جو، اپنی دنیا آپ پیدا کرنے والے غیرت مند، باحمیت عالم، باغ و بہار اور مرنجا مرنج طبیعت کے مالک تھے۔

مولانا محمد اسلام قاسمی ضلع دمکا کے علاقہ جامتاڑا میں ۱۶؍فروری ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے، اور مختلف دانش کدۂ علم و فن سے مستفید ہوتے ہوئے ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت کی، اور ۱۹۷۵ء میں تکمیلات سے فراغت ہوئی، اس دورانیہ میں انہوں نے تاریخ دارالعلوم کی برگزیدہ شخصیات سے اکتساب فیض کیا اور پھر اپنی لیاقت اور استعداد کی بنا پر اساتذہ کا اعتماد حاصل کیا، جس کے نتیجہ میں تعلیم سے فراغت کے بعد ہی دارالعلوم میں پندرہ روزہ مجلّہ ''الداعی'' کے لئے بحیثیت معاون مدیر منتخب ہوئے، انقلاب دارالعلوم کے وقت وہ قافلۂ حکیم الاسلام میں شامل رہے، بلکہ حضرت حکیم الاسلام اور حضرت خطیب الاسلام رحمہما اللہ کے معتمدین میں ان کا شمار تھا، جس کی بناء پر وہ نہ صرف دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بچشم خود شاہد و گواہ رہے بلکہ مکمل اصابت رائے کامل پختگی اور خود اعتمادی کے ساتھ بحیثیت سرگرم رکن کے کاروان حکیم الاسلام میں شامل و ہم رکاب رہے، اور پھر اس کارواں کے استحکام میں اپنے تن من دھن کی بازی لگادی، اس تعلق سے وہ ایسے غیور واقع ہوئے تھے کہ تاعمر انہوں نے اپنے موقف سے ذرہ برابر بھی

تخلف نہیں کیا، ان کی زندگی میں تذبذب اور انتشار کا کوئی گذر نہیں تھا، اعتدال، تواضع، سادگی، یک رنگی، فکری پختگی، یقینِ محکم معرکۂ حیات میں ان کے کارگر آلات تھے۔ خانوادۂ قاسمی اور دارالعلوم وقف دیوبند کی نسیم جاں فزا ان کی رگ رگ میں سما گئی تھی، مولانا کی غالباً آخری تصنیف ''دارالعلوم اور خانوادۂ قاسمی ''اسی جذبہ جاں نثاری اور فداکاری کی ترجمان ہے۔ جس میں بالخصوص حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام رحمہما اللہ کے تئیں ان کے جذبۂ وارفتگی اور خانوادہ کے دیگر افراد بشمول راقم الحروف کے ساتھ ان کے قلبی لگاؤ اور وابستگی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت میری نظر میں یہ صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ان کی محبت وخلوص کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ مولانا ایک اور کتاب ''دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام'' بھی اسی جذبۂ محبت کی عکاس ہے، ان دونوں کتابوں کے علاوہ مولانا کی دیگر کتابیں بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً، ''مقالات حکیم الاسلام''، ''درخشاں ستارے''، ''خلیجی بحران اور صدام حسین''، ''ضمیمہ المنجد عربی اردو''، ''جمع الفضائل فی شرح الشمائل'' وغیرہ۔ مولانا کی تحریریں چاہے وہ عربی زبان میں ہوں یا اردو میں علم وادب کی عظیم شاہکار ہیں، جس میں جذبات وخیالات کی بھرپور ترجمانی کے ساتھ اسلوب وبیان کی چاشنی بھی نمایاں محسوس کی جا سکتی ہیں، ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' کے اوراق ان پرکشش تحریروں کی گواہ ہیں، جس کے لئے وہ اہتمام سے مضامین لکھتے تھے۔

وہ مسلک دیوبند اور مزاج دیوبند کی روایات کے حامل اور قدر شناس تھے اور یہی ان کی متاع گراں مایہ تھی، اکابر واسلاف کی فکر پر وہ مضبوطی سے قائم تھے، جادۂ حق سے معمولی انحراف بھی انہیں گوارا نہیں تھا، وہ اپنے تلامذہ کو بھی اسی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے، دارالعلوم وقف دیوبند ان کے دل میں بستا تھا، ادارہ کے ہر اقدام پر وہ اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کلمات تحسین سے نوازتے تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی ایماء اور ان کے راہ نما خطوط پر جب دارالعلوم وقف دیوبند میں شعبۂ بحث وتحقیق ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' کے قیام کا فیصلہ لیا گیا تو مولانا نے بڑے کھلے دل سے نہ صرف اس فیصلے کا استقبال کیا بلکہ اکیڈمی کے قیام واستحکام اور بالخصوص ششماہی مجلّہ محکمہ ''وحدۃ الامۃ'' کے اجراء کے باب میں اپنی مفید آراء اور تجاویز بھی پیش فرمائیں، جو ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں، جب ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' کی ناگزیر اصلاحات اور اقدامات کے ساتھ ہر ماہ پابندی کے ساتھ اشاعت ہونے لگی، اس کے ادارتی امور اکیڈمی کے زیرِ عمل انجام پانے لگے تو مولانا انتہائی دلچسپی کے ساتھ اس کے ایک ایک جزء پر نظر رکھتے اور اس کے متنوع ومفید مضامین کو ماہنامہ کا حصہ بنانے پر خوشی کا اظہار کرتے۔

جب اکیڈمی کا نصاب مرتب ہوا تو اس میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی اہم کتاب کے درس کے لئے تمام اکابر کی نظر مولانا اسلام صاحب قاسمی پر ہی جا کر رکی۔ انہوں نے بڑی دلچسپی اور دل جمعی کے ساتھ اس کتاب کا درس دیا اور اس کا حق ادا کر دیا، دیگر اسباق کی طرح ان کا یہ درس بھی طلبہ میں بے حد مقبول ہوا جس کی بناء پر بھی اس شعبہ کو ایک امتیاز حاصل ہوا۔ اس لئے کہ ان کے اسباق میں علم وعرفاں کی وادیاں مہکتی تھیں۔ مولانا نے دارالعلوم وقف دیوبند میں تقریباً اکثر کتابیں پڑھائیں ''شمائل ترمذی'' اور پھر اس کے بعد ''مسلم شریف ثانی'' ایک طویل عرصہ تک ان سے متعلق رہیں، علاوہ ازیں تکمیل ادب میں ''المختارات العربیہ'' اور ''النثر الجدید'' کے درس سے بھی طلبہ خوب مستفید ہوئے۔ ان کی زندگی کا نصب العین علم دین کی خدمت کرنا تھا۔ اخلاص کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ وہ عمر بھر اس خدمت میں لگے رہے۔ ان کا وجود مسند تدریس کے لئے ایک زینت تھا۔ وہ ایک صرف ایک مدرس ہی نہیں بلکہ مربی بھی تھے، ساتھ ہی مزاج شناس بھی۔ مولانا علیہ الرحمہ اسباق سے فارغ ہوکر ادارہ کے چند دفاتر میں ضرور تشریف لاتے ان میں بھی بالخصوص اکیڈمی میں ان کی تشریف آوری بہ التزام ہوتی، یہاں آ کر وہ مجھ سے براہِ راست یا دیگر حضرات اساتذہ سے اکیڈمی کی جاری سرگرمیوں کا جائزہ لیتے اور اس پر اپنی قلبی مسرت کا اظہار کرتے، مفید مشوروں سے نوازتے۔

مولانا مرحوم اساتذۂ دارالعلوم وقف کے مابین مجلسی روایت کے امین تھے، ان کی مجلس ہر سطح کے لوگوں کے درمیان ہوتی اور وہ ہر مجلس میں حاضرین کی سطح اور نہج کے مطابق گفتگو کرتے۔ صحیح بات تو یہ ہیکہ وہ معاشرتی زندگی گذارنے کا فن جانتے تھے۔ ذمہ داران ادارہ کی جانب سے اساتذہ کی میٹنگ ہو یا کوئی اجلاس، اس میں مولانا کا ایک الگ انداز ہوتا تھا، ان کی نکتہ آفرینی اور بذلہ سنجی مجلس کو زعفران زار بنا دیتی تھی، اور پھر مجلس کی خشکی ان کے پرکیف جملوں سے کافور ہو جاتی تھی، ان کی نشاط انگیز روح افزا معنی آفرینیوں سے حاضرین مجلس بہر یاب ہونے سے محروم نہیں رہتے تھے۔ ان کے مزاج میں نفاست تھی، وہ خوش فکر ہونے کے ساتھ خوش گفتار بھی تھے۔ اور مجموعی طور پر ان کی پوری زندگی علم وعمل، استقلال واستقامت، فکری بالیدگی، قوت جہد وعمل اور مکمل وضعداری کے ساتھ بے تکلف وبے تصنع گذری۔ ان کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت تھی، جس کی بنا پر ان کی شخصیت کے نقوش وخطوط نہایت تابناک اور قابل رشک رہے، وہ اپنی غیر معمولی ذکاوت وفطانت، اصابت فکر اور اعتدال وتوازن کی اعلیٰ مثال تھے، ہر جگہ وہ اپنی خوشگوار انفرادیت کے پیکر تراشتے تھے۔ ان کی مخلصانہ خدمات اور کارنامے اور ان کی صفات وخوبیوں کا گلشن ہمیشہ سرسبز وشاداب اور سدا بہار رہے گا ع

ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے ☆ زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی

❁......❁......❁

وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے

مولانا مفتی محمد عارف قاسمی ❖

تقریباً پونے دس بجے صبح مولانا سکندر صاحب استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے فون کے ذریعہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی استاذ حدیث و ادب دارالعلوم وقف دیوبند کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر کو مولانا مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مسلم شریف جلد ثانی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ صاف ستھری زبان، شستہ اردو، ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، سلیس اور آسان اندازِ بیان، غرض ان کے پڑھنے، پڑھانے اور تربیت کا انداز نرالا تھا۔ فراغت کے بعد احقر کا تقرر بحیثیت استاذ دارالعلوم وقف دیوبند میں ہوا تو اس پر نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازا۔ مولانا مرحوم نے کبھی بھی اپنے استاذ ہونے کا رعب نہیں دکھایا بلکہ جب بھی ملاقات ہوتی یا دارالافتاء میں تشریف لاتے تو بے تکلفانہ بات کرتے، ہنسی مذاق بھی کرتے، اپنے تمام تلامذہ سے بے تکلف بات کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ گویا بڑوں میں بڑے اور چھوٹوں میں چھوٹے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔

مولانا مرحوم زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم وقف دیوبند اور ان کے اکابر کی تاریخ کے حافظ تھے۔ کب کس کا تقرر ہوا، کب وفات ہوئی اور کس کا دور کب سے کب تک رہا سب کچھ ازبر تھا۔ بحث میں کوئی ان سے جیت نہیں سکتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد عربی زبان و ادب، افتاء اور فن خطاطی میں تخصص کے ساتھ ملک کے مختلف مایہ ناز اداروں سے ہائی اسکول، ایم-اے اردو اور ادیب کامل کی سند حاصل کی۔

۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء تک دارالعلوم کے عربی رسالہ ''الداعی'' سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کے معاون کے طور پر مولانا مرحوم کا تقرر ہوا اور رسالہ کے نائب مدیر بنائے

❖ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

گئے۔ الداعی میں عربی مقالات کے ساتھ اردو رسائل میں مولانا کی تحریریں شائع ہوتی رہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے رسالہ ''ندائے دارالعلوم'' کے ابتدائی دس سال تک رکن مجلس ادارت رہے اور ۱۹۸۳ء تا وفات دارالعلوم وقف دیوبند کے ایک کامیاب، مقبول استاذ کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ مولانا کو تصنیف وتالیف میں خاص ملکہ حاصل تھا اور آپ کی تحریروں کو علمی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

مولانا مرحوم کی تقریباً سترہ کتابیں منظر عام پر آکر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں جن میں (۱) دارالعلوم دیوبند کی ایک صدی کا علمی سفرنامہ (۲) مقالات حکیم الاسلامؒ (۳) ضمیمہ المنجد، اردو-عربی (۴) القراءۃ الراشدہ، ترجمہ اردو (۵) ترجمہ مفید الطالبین (۶) جمع الفضائل شرح شمائل ترمذی (۷) جدید عربی میں خط لکھئے (۸) منہاج الابرار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار (۹) دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (۱۰) درخشاں ستارے (۱۱) خانوادۂ قاسمی (۱۲) متعلقات قرآن اور تفاسیر (۱۳) رمضان المبارک: فضائل ومسائل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اکابر دارالعلوم وقف دیوبند بالخصوص خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کی مجلسوں میں ان کی بڑی قدر اور ان کے مشوروں کی وقعت تھی۔ حضرت والا مزاجاً بڑے خوش اخلاق، ملنسار تھے۔ شہر دیوبند میں خواص وعوام سے ربط رکھتے تھے۔ فضلاء وتلامذہ سے تعلق رکھتے، ان کے احوال دریافت کرتے اور علاقائی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے رہنمائی کرتے۔

چند سال قبل اچانک فالج کا حملہ ہوا، زبان وآنکھ متاثر ہوئی، علاج سے قدرے افاقہ ہوا لیکن تقریباً ڈیڑھ سال قبل پھر ایسا حملہ ہوا کہ جانبر نہ ہوسکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

دعاء گو ہوں کہ اللہ رب العزت حضرت والا کی مغفرت کاملہ فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

جن کی یادوں سے معطر تھا چمن

مولانا محمد سکندر قاسمی ❖

پچھلے دنوں استاذ محترم حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کا سانحہ وفات پیش آیا، جو بلاشبہ مادر علمی وقف دارالعلوم دیوبند کے لئے ایک بڑا نقصان ہے، اللہ تعالیٰ اس خلا کو پر فرمائے اور دارالعلوم وقف کو ان کا نعم البدل مرحمت فرمائے۔

حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ میرے مشفق و محسن استاذ تھے، دورہ حدیث شریف کے سال مسلم شریف جلد ثانی ان سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک کامیاب مدرس و مصنف تھے اور تاریخ و ادب پر ان کی مہارت ایشیاء بھر کے علمی حلقوں میں مسلم تھی۔ میں نے یہ بات کئی لوگوں سے سنی کہ اجلاسِ صد سالہ کے موقع پر جو کتابچے اور تحریریں دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شائع ہوئی تھیں، اسی طرح دارالعلوم و وقف دارالعلوم کی جو قدیم سندیں ہیں وہ تمام حضرت الاستاذؒ کی کتابت کردہ ہی ہیں۔ مولاناؒ کو کتابت پر کامل درجے کی قدرت حاصل تھی، تدریس ہو یا تصنیف، بات کو سلیقے اور ترتیب سے پیش کرنے کی ان کی عادت ہر جگہ ظاہر ہوتی تھی اور اسی بنا پر طلبہ کو ان کی لسانی و قلمی کاوشوں سے بڑے فوائد حاصل ہوئے۔

مولانا مرحوم سے میری پہلی شناسائی عربی پنجم کے سال ہوئی۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثمانیؒ اور علامہ حسن صاحبؒ جیسے کئی ایک اساطینِ علم و فضل بہ قیدِ حیات تھے اور ان پاکیزہ نفوس سے اکتسابِ فیض کے لیے طلبہ کے علاوہ عوام و خواص بھی بڑی تعداد میں یہاں حاضری دیا کرتے تھے، ایسے جبالِ علم کی موجودگی میں حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ کو جو مخصوص مقام حاصل ہوا، وہ خدا کا ان پر خاص فضل تھا، اس دور میں ان کا دورۂ حدیث کے کامیاب ترین اساتذہ میں شمار ہوتا تھا۔ تکمیلِ افتاء میں ''الاشباہ والنظائر'' کا درس ان سے متعلق تھا، اور دوسری طرف طلبہ کے درمیان شیخ الادب کے لقب سے مشہور تھے۔ میں اگرچہ پنجم کا طالب علم تھا، لیکن تکمیلِ افتاء و تکمیل ادب

❖ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

میں زیرِ تعلیم ذی استعداد لائق و باصلاحیت طلبہ کی زبانی ان کی تدریسی صلاحیت اور کتبِ فقہ وحدیث پر ان کی گہری نظر کا ذکر بار ہا سنا۔ دارالعلوم وقف دیو بند میں اس وقت ٹین شیڈ کے دو بڑے ہال تھے، ایک ہال دارالحدیث اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے مختص تھا اور دوسرے ہال میں عربی سوم تا ہفتم، افتاء وعربی ادب کی درس گاہیں لگتی تھیں اور اوپر سے کچھ حصہ کھلا ہونے کی وجہ سے بعض اوقات پنجم کی درس گاہ کے طلبہ کی آواز عربی ادب کی درسگاہ میں چلی جاتی تھی۔ طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ گھنٹہ مکمل ہونے کے بعد جب استاذ درس گاہ سے رخصت ہوتے ہیں، تو ان کی آواز شور شرابے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے ہی کسی موقع پر مولانا محمد اسلام صاحبؒ نے آواز بلند کرنے والے طلبہ کو تنبیہ فرمائی تھی اور اسی روز میں نے اپنا یہ معمول بنالیا تھا کہ استاذ کے رخصت ہوتے ہی میں بھی کتاب لے کر درس گاہ سے باہر چلا جاتا تھا، تا کہ خدانا خواستہ اگر کوئی استاذ ایسے طلبہ کی سرزنش کے لیے درس گاہ میں آجائیں تو میں ان کی نظر میں نہ آسکوں اور ایک غافل و بے پرواہ طالب علم کی حیثیت سے میرا تعارف اساتذہ کے درمیان نہ ہو۔ میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا اور اللہ کے فضل وکرم سے اساتذہ کو اپنے کسی عمل سے تکلیف پہنچانے سے حتی الامکان بچتا رہا۔

دورۂ حدیث کے سال جب ''مسلم شریف جلد ثانی'' ان سے پڑھنے کا موقع ملا، تو ان کی تدریسی مہارت کا اندازہ ہوا اور ان کے درس کی جو خوبیاں اب تک ان کے باتوفیق شاگردوں کی زبانی سنی تھیں، انھیں حرف بہ حرف درست بلکہ سوا پایا، تدوینِ حدیث پر مفصل گفتگو، محدثین وفقہاء کا جامع تعارف، نرالا اندازِ تدریس اور کتاب البیوع کے مسائل کی عہد حاضر کے مسائل پر تطبیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا سہل مثالوں کے ذریعہ تشفی بخش حل اور میدانِ عمل میں کام آنے والی چیزوں سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کرنا وغیرہ بہت سی ان کے درس کی ایسی نمایاں خصوصیات تھیں، جو انھیں اپنے ہم عصروں میں ایک خاص پہچان عطا کئے ہوئے تھیں۔ وہ باوجیہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے اور شفقت ومحبت کا عنصر بھی ان کی ذات میں ودیعت تھا۔ زمانہ طالب علمی میں میری ان سے کوئی خاص قربت نہیں رہی تھی، لیکن فراغت کے بعد جب دارالعلوم وقف دیوبند میں تدریس کے لئے میرا تقرر ہوا تو اب مولانا مرحوم سے ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہوا گیا اور اب اندازہ ہوا کہ یہ بارعب شخصیت شفقت ومحبت کی مجسم مثال بھی ہے۔

دارالعلوم وقف کے مختلف دفاتر میں ان کی مجالس میں بہت سی مرتبہ شرکت کا موقع ملا، ان کا ذہن معلومات کا انمول خزینہ تھا، دارالعلوم دیوبند کی تاریخ، دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام واستحکام، قضیہ نامرضیہ کی تفصیل، ملک کی متعدد تنظیموں اور جماعتوں کی تاریخ اور ان کے ذمہ داران کا تعارف، ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل، طلبہ مدارس کی کامیابی کے منصوبے وغیرہ متنوع چیزوں کا ذکر ان کی زبانی سننے کو

ملتا تھا۔اس عمر میں بھی ان کے قوتِ حافظہ سے حیرت ہوتی تھی، آخر کے معذوری کے چند سالوں میں انھوں نے بارہا یہ بات کہی کہ ’’میری زبان اور ہاتھ میں تکلیف ضرور ہے،لیکن حافظہ آج بھی قوی ہے،اس میں بحمد اللہ کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے‘‘۔یقیناً یہ علم حدیث سے تعلق اور لگاؤ کی برکت تھی۔

مولانا ایک اصول پسند اور وقت کے قدرداں انسان تھے،کئی مواقع پر یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ بے اصولی اور وقت کی ناقدری سے انھیں تکلیف اور ناگواری ہوتی ہے۔حضرت فخر المحدثینؒ کے گھر پر عشاء کے بعد ہر روز مجلس لگا کرتی تھی،جس میں اساتذہ اور شہر کے سیاسی وملی جماعتوں سے وابستہ احباب شریک ہوتے تھے،حضرت شاہ صاحبؒ بڑے علمی،تحقیقی وادبی انداز میں سب کے سوالوں کے جوابات دیا کرتے تھے،عام طور پر یہ دیکھا گیاہیکہ سب سے پہلے مجلس میں آنے والے شخص نے جو مسئلہ چھیڑ دیا، حضرت شاہ صاحبؒ مجلس کے آخر تک اسی پر سیر حاصل گفتگو فرمایا کرتے تھے۔میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے بھی اپنے اساتذۂ کرام کی معیت میں چھ سات سال تک حضرت کشمیریؒ کی ان مجالس میں شرکت کا موقع ملا،ان بابرکت مجلسوں سے بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوئیں اور ان باتوں پر عمل در آمد کے فوائد آج بھی میدانِ عمل میں قدم قدم پر محسوس ہوتے ہیں۔حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ سے منسوب دو باتیں یہاں ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔پہلی بات یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اگر کسی شخص کو تنہائی میں کوئی بات کرنی ہوتی تھی،تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ اختتامِ مجلس پر باقی لوگ روانہ ہوجاتے اور وہ شخص اکیلے میں حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات کر لیتا اور اپنے مخصوص مسئلے کے تعلق سے شاہ صاحبؒ سے رہنمائی حاصل کر لیتا۔اساتذۂ دار العلوم وقف دیوبند میں سے اگر کسی کو اس طرح کی تنہائی کی ملاقات کی ضرورت درپیش ہوتی،تو باقی اساتذہ نیچے جا کر ان کا انتظار کرتے اور ان کے آنے کے بعد ہی سارے اساتذہ شاہ صاحبؒ کے گھر سے روانہ ہوتے تھے۔حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود ایسے مواقع پر دوسرے احباب مجلس کی آمد کا انتظار کرتے اور ساتھ روانہ ہوتے تھے۔ایک دفعہ خود حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ کو شاہ صاحب سے تنہائی میں اپنی کوئی بات ذکر کرنی تھی اور وہ اختتامِ مجلس پر رک گئے۔بقیہ احباب مجلس کے نیچے آنے کے بعد کچھ حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ہمیں چوں کہ شاہ ولایت قبرستان کی جانب سے وقف دار العلوم پہنچنا ہے،جبکہ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ چھتہ مسجد اور مسجد رشید والے راستے سے اپنے گھر تشریف لے جائیں گے،اس لیے ہمیں ان کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے،دو تین حضرات نے جب یہی رائے دی،تو وہاں موجود حضرات انتظار کیے بغیر روانہ ہو گئے،لیکن اگلے روز اختتامِ مجلس پر جب ہم لوگ باہر آئے،تو حضرت مولانا اسلام صاحبؒ نے گذشتہ شب

کے واقعہ پر شفقت آمیز لہجے میں تنبیہ فرمائی اور کہا کہ اجتماعی کاموں میں ہمیں اپنے احباب کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ بات میرے ذہن و دل میں پیوست ہوگئی اور اب سفر ہو یا حضر اجتماعی نوعیت کے کاموں میں اپنے رفقاء و احباب کا بھرپور خیال رکھنے اور کسی بھی موقع پر انھیں تنہا نہ چھوڑنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ نے از راہِ مزاح مجھ سے فرمایا تھا کہ ''مولوی سکندر! آپ کے گھر گئے بہت دن ہوگئے ہیں، دعوت وغیرہ کی کوئی ترتیب بنایئے''، حضرت مولانا نسیم اختر شاہ صاحب قیصرؒ بھی اور کچھ دیگر اساتذہ بھی موجود تھے۔ میں نے سعادت سمجھ کر حضرت الاستاذؒ، مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحبؒ اور دیگر اساتذہ کے لیے عشائیہ کا انتظام کیا۔ یہ حضرات میرے غریب خانہ پر تشریف لائے، بے تکلفی کے ساتھ ماحضر تناول فرمایا اور قیمتی نصائح کے علاوہ اپنی بزرگانہ دعاؤں سے بھی نوازا۔

حضرت مولانا کے بارے میں یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ جتنے اچھے مدرس تھے، اتنے ہی اچھے منتظم بھی تھے۔ دارالعلوم وقف دیوبند میں سال کے آخر میں جو جلسہ انعامیہ منعقد ہوتا ہے، اس کی نظامت برسہا برس ان ہی سے متعلق رہی، جلسہ انعامیہ کے موقع پر ان کا مفصل خطاب ہوتا تھا اور وہ اپنے خطاب میں دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام و استحکام کے پس منظر و پیش منظر پر تفصیل سے گفتگو کرتے تھے اور طلبہ کو ان کے روشن مستقبل کے لئے راہ نما ہدایات سے نوازتے۔ جب تک ان کی صحت بحال رہی تب تک انھوں نے بہ حسن و خوبی یہ اہم ذمہ داری سرانجام دی۔ خانوادۂ قاسمی اور دارالعلوم وقف دیوبند سے ان کا رشتہ بڑا گہرا اور مضبوط و مستحکم تھا اور اس موضوع پر انھوں نے باقاعدہ کتاب بھی لکھی ہے۔

مولانا اسلام صاحبؒ کی طبیعت دو تین سال سے کافی متاثر تھی اور میں وقفے وقفے سے عیادت کے لیے جاتا رہتا تھا، مرض کے باوجود بھی بڑی قیمتی نصائح سے نوازتے تھے۔ اگر کبھی جانے میں کچھ تاخیر ہو جاتی، تو حضرت خود ہی فون کر کے یاد فرماتے اور میں حاضر ہو جاتا۔ پچھلے سال بھی ایک روز حضرت کا فون آیا، مجھ سے فرمانے لگے کہ دارالعلوم وقف آکر طلبہ کو پڑھانے کو جی بہت چاہتا ہے۔ میں نے ان کے صاحبزادے برادرم مولانا بدرالاسلام قاسمی استاذ جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند سے اس تعلق سے بات کی، توحسبِ توقع انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ضعف زیادہ ہے، چلنا پھرنا تو دور کی بات ہے، تھوڑی دیر کے لیے بیٹھنا بھی آپ کے لیے مشکل ہے۔ لیکن حضرتؒ نے اپنی بات پر کافی اصرار کیا اور فرمانے لگے کہ جس طرح بھی بن پڑے، مجھے ایک دفعہ وقف دارالعلوم لے جاؤ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی، حضرت کو ایک روز دارالعلوم وقف لایا گیا اور طلبہ دارالعلوم کو کچھ منٹ ہی سہی آپ نے درس دیا اور دعائے صحت کی یاد دہانی کرا کر پھر گھر آ گئے، دارالعلوم وقف آکر اور طلبہ کو پڑھا کر آپ کو بڑا قلبی سکون

حاصل ہوا، گذشتہ سال آپ دو تین مرتبہ دارالعلوم وقف تشریف لائے۔

اس سال بھی وہ وقتِ ملاقات کہا کرتے تھے کہ طبیعت میں کچھ افاقہ ہوگا تو میں ضرور دارالعلوم وقف پہنچ کر طلبہ کو پڑھاؤں گا، ہم لوگ بھی انھیں یہ حوصلہ دیا کرتے تھے کہ آپ ان شاء اللہ جلد ہی شفایاب ہوں گے اور حسبِ سابق دورۂ حدیث میں آپ کا درس جاری ہو جائے گا، لیکن اس سال ان کی طبیعت روز بہ روز بگڑتی چلی گئی اور اب آخر کے دنوں میں تو ان پر کبھی کبھی غنودگی کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ جس جمعہ کو حضرتؒ کا انتقال ہوا ہے، اسی جمعہ کی شب میں حضرت مولانا فریدالدین صاحب قاسمی مدظلہ اور راقم سطور مغرب کے بعد حضرت کی عیادت کے لیے ان کے دولت کدہ پر پہنچے۔ ہم دونوں نے سلام کیا، حضرت مولانا فریدالدین صاحبؒ نے جب پوچھا کہ آپ نے ہمیں پہچانا؟ تو حضرتؒ نے آنکھیں کھولیں اور ہونٹوں اور ہاتھ سے اشارہ کیا، جس سے محسوس ہوا کہ وہ ہمیں پہچان گئے ہیں۔ کچھ دیر تک وہیں بیٹھے بیٹھے حضرت مولانا فریدالدین صاحب دعائیں پڑھتے رہے اور پھر صحت وشفا کی دعا دیتے ہوئے ہم لوگ واپس آ گئے۔ جمعہ کے روز صبح آٹھ بجے کے قریب مولانا بدرالاسلام صاحب کا فون آیا اور انھوں نے یہ دل خراش اطلاع دی کہ حضرت والد صاحب کا ابھی کچھ دیر قبل انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر دل پر بجلی بن کر گری، بے ساختہ زبان پر کلماتِ استرجاع جاری ہوئے، اسی وقت مولانا کے گھر پہنچا اور غسل دلانے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت کی نمازِ جنازہ میں بڑی تعداد میں عوام وخواص شریک ہوئے، دیوبند کے علاوہ اطراف بلکہ دہلی تک کے مدارس کے علماء وطلبہ نماز جنازہ میں شریک تھے۔ اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کہ سن ۲۰۰۴ء میں جب امام الفرائض حضرت مولانا مفتی انوارالحق صاحبؒ کی وفات ہوئی اس وقت ان کے جنازہ میں دارالعلوم وقف دیوبند سے لے کر مزار قاسمی تک اہل علم کا غیر معمولی ازدحام اور اپنے استاذ کے تئیں طلبہ کے جذبات اور محبت کو دیکھ کر حضرت مولانا غلام نبی قاسمیؒ نے فرمایا تھا کہ ''خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنہیں مہمانانِ رسول ﷺ کا کندھا اور مزار قاسمی کی تدفین نصیب ہو'' حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی صاحبؒ کے جنازہ میں اہل علم وطلبہ کا ازدحام و جذبات، عقیدت ومحبت دیکھ کر مجھے حضرت مولانا غلام نبی صاحبؒ کی وہ بات بار بار یاد آ رہی تھی۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ قبرستان قاسمی آخری آرام گاہ تک لے جایا گیا اور حضرت کو قبر میں اتارنے کا شرف مولانا بدرالاسلام قاسمی اور راقم سطور کو حاصل ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ مزار قاسمی میں حضرت کی آخری آرام گاہ امام الفرائض حضرت مولانا مفتی انوارالحق صاحبؒ اور حضرت علامہ حسن باندویؒ کے سرہانے اور بحرالعلوم حضرت مولانا غلام نبی قاسمی کشمیریؒ کے پائنتے میں واقع ہے۔

❀......❀......❀

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو

مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی ❖

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں ☆ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے (نامعلوم)

۱۶ جون ۲۰۲۳ء روز جمعہ کی صبح یہ وحشت ناک خبر لے کر آئی کہ دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ حدیث، مقبول اور مشفق مدرس حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ نے اس جہان فانی کو الوداع کہہ دیا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر غیر متوقع تو نہیں تھی؛ کیوں کہ مولانا مرحوم کئی سالوں سے متعدد بیماریوں کی زد میں تھے اور ایک سال سے صاحب فراش تھے؛ مگر مولانا مرحوم سے حد درجہ تعلق اور ان کی وفات سے علمی دنیا میں پیدا ہونے والے خلا کو دیکھ کر دل بیتاب ہوگیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، ذہن کے پردے پر ان کی دل آویز شخصیت، ان کی معصومانہ ادائیں اور ان کی دلنشیں باتیں؛ گھومنے لگیں، دل نے بے ساختہ گواہی دی کہ ان کے انتقال سے علم وادب کا وہ مینارۂ نور ہم سے رخصت ہوگیا جو نصف صدی تک دیوبند کی فضا میں علم وادب کی خوشبو بکھیرتا رہا اور اپنے علمی وادبی فیضان سے ایک عالم کو منور کرتا رہا۔

مولانا مرحوم بہت سی خصوصیات اور امتیازات کے مالک تھے، وہ دارالعلوم وقف دیوبند کے ابتدائی ایام سے رکن رکین اور مقبول مدرس تھے، خوش نوا خطیب وواعظ تھے، خوش نویس کاتب اور خطاط تھے، اردو اور عربی کے عمدہ قلم کار تھے، متعدد کتابوں کے مصنف تھے، سخی اور فیاض تھے، مہمان نوازی کا ذوق بھی خوب تھا، طلبہ پر حد درجہ شفیق تھے، بڑے خوش مزاج اور خوش اخلاق تھے، اجنبی لوگوں سے بھی ملاقات کرتے تو ان کو اپنائیت کا احساس دلاتے، بڑے حوصلہ مند تھے، ان کے پاس مایوسی کا کوئی گزر نہیں تھا، وسیع القلب بھی تھے، درگزر طبیعت ثانیہ تھی، کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، تواضع اور فنائیت بھی خوب تھی، چھوٹوں کی رہنمائی کرتے، ان کے کاموں کی نگرانی کرتے، ان کے حوصلے بڑھاتے، کبھی کبھی تو مبالغہ کرجاتے، وفاداری اور خودداری کا امتزاج تھے، صاحب الرائے تھے، اپنے موقف سے سمجھوتہ نہیں کرتے،

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کسی مسئلہ میں اگر کسی رائے سے اختلاف کرتے تو اختلاف کے آداب اور حدود کا پورا خیال کرتے، اس لیے کہ عام طور سے انہیں اپنی رائے پر شرح صدر حاصل ہوتا تھا، تنظیموں اور اداروں سے وابستگی کا لمبا تجربہ تھا، اس لیے اداروں اور شخصیات پر بہت نپی تلی رائے رکھتے تھے، البتہ چھوٹوں کے سامنے اظہار میں حددرجہ احتیاط کرتے تھے، دوستوں کی مجلس میں وہ بے تکلف اپنی رائے رکھتے تھے، ان کا ذہن معلومات کا وسیع دفتر تھا، کوئی مسئلہ چھیڑ دیجیے اور معلومات کا ایک خزانہ حاصل کر لیجیے۔

یہ سب ان کی زندگی کے جلی عناوین ہیں، اور ہر عنوان تفصیلی تحریر کا متقاضی ہے، اس مختصر تحریر میں ان تمام گوشوں کا نہ احاطہ مقصود ہے اور نہ ہی ممکن، چند باتوں کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ مقصود ہے:

انسانیت : مولانا مرحوم ایک اچھے انسان تھے، خوش اخلاق، خوش مزاج اور خوش اطوار، عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ علوم وفنون کا ایک معتد بہ حصہ حاصل کر لیتے ہیں، تبحر علمی ان کی شناخت بن جاتی ہے؛ مگر ان کی شخصیت میں انسانیت کا عنصر انتہائی کمزور یا مفقود نظر آتا ہے، مولانا مرحوم کے تمام جاننے والے اس کی گواہی دیں گے کہ وہ ایک اچھے انسان تھے، بے تکلف، ہمدرد، غم گسار، خیر خواہ اور دکھ سکھ میں شریک۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے اساتذہ اور کارکنان کے آفس میں تشریف لاتے اور بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے، وہ چھوٹے اور بڑے کی تفریق نہیں کرتے، ہر ایک کی دل جوئی کرتے، کسی کے یہاں کوئی مسئلہ یا پریشانی ہوتی تو بار بار پوچھتے، شہر میں بھی ان کے دوستوں کا بڑا حلقہ تھا، وہ سب سے ملتے اور سب کے احوال سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتے، آنے جانے والوں سے بھی، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے، ان کی زندگی تکلفات سے بالکل پاک تھی، گھر والوں کے ساتھ ہوں یا مہمانوں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ ہوں یا طلبہ کے ساتھ، ہر جگہ وہی سادگی اور بے تکلفی، محبت اور شفقت کا ایک شجر سایہ دار۔

عربی زبان وادب: ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں احاطۂ دارالعلوم میں، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت سے استفادہ اور ''النادی الأدبی'' کی سرگرمیوں کا حصہ بننے کا موقع ملا، حضرت کیرانویؒ کے تلامذہ میں عربی زبان وادب سے محبت اور اس تعلق سے ان کی حساسیت معروف بات ہے، میں نے علامہ کیرانویؒ کے جتنے تلامذہ کو دیکھا سب میں عربی کے تعلق سے غیرت وحساسیت کا عنصر قدر مشترک پایا، حالاں کہ بعض ایسے بھی ہیں، جن کا قلم سے یا عربی سے رشتہ واجبی سا بھی نہیں ہے؛ لیکن عربی کی غیرت میں وہ کسی عربی ادیب سے کم نہیں ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کو عربی سے حقیقی مناسبت تھی اور اپنے استاذ علامہ کیرانویؒ

سے حد درجہ عقیدت اور تعلق، تکمیل عربی ادب کے بعد مولانا مرحوم نے شعبۂ خطاطی میں داخلہ لیا، حضرت کیرانویؒ نے مولانا کو ایک دن بلایا اور فرمایا کہ اب میں تھک چکا ہوں، اس لیے کتابت کی ذمہ داری اب تم سنبھالو، اس کے بعد مولانا مرحوم کا دار العلوم دیو بند میں دار العلوم کے عربی مجلّہ ''دعوۃ الحق'' میں معاون کی حیثیت سے تقرر ہو گیا، یہ مولانا مرحوم پر حضرت کیرانویؒ کے حد درجہ اعتماد اور تعلق کی بات ہے، مجلّہ دعوۃ الحق کو مولانا جہاں اپنی خوش خطی سے مزین کرتے وہیں اپنی قیمتی، علمی اور ادبی نگارشات سے اس کے حسن کو دوبالا کرتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی دامت برکاتہم (مقیم کویت) سابق مدیر مجلۃ الداعی نے بیان کیا کہ ''میں تو جیسا تیسا لکھ کر مولانا محمد اسلام صاحب کو دے دیا کرتا تھا، پھر یہ اس تحریر کو ایسا سنوار کر لکھتے تھے کہ یقین نہیں آتا تھا کہ میرا لکھا ہوا ہے، مجلّہ کا ظاہری حسن مکمل طریقے سے، مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کا رہین منت ہوتا تھا''۔ دار العلوم وقف دیو بند میں شروع دن سے عربی زبان وادب کا شعبہ قائم رہا، وہ اس مرکزی جامعہ میں عربی کے علم بردار رہے، دو سال تک مجلّہ ''الثقافۃ'' نکالا اور ایک لمبے عرصے تک دار العلوم وقف دیو بند کے شعبۂ عربی کے صدر رہے اور آخر وقت تک عربی ادب کی کتابیں ان سے متعلق رہیں، عربی زبان وادب کی تاریخ پر بھی ان کی نظر کافی گہری تھی، احمد حسن زیات کی کتاب ''تاریخ الأدب العربی'' اور معاصر عربی صحافت ونثر جدید طویل عرصے تک ان کے زیر تدریس رہی، شروع سال میں طلبہ جب ''تاریخ الأدب العربی'' کے اسلوب کی دشواری کا شکوہ کرتے تو مولانا ابتدا میں زبانی طور پر عربی ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالتے اور انہیں فن سے مانوس کرتے، جب وہ کسی درجہ میں کتاب کے موضوع اور فن کی بنیادی باتوں سے مانوس ہو جاتے تو کتاب پڑھاتے، میں جب اپنے گھنٹے میں جاتا تھا اور کبھی عربی ادب کی تاریخ سے متعلق کچھ باتیں سامنے آجاتیں تو معلوم ہوتا کہ طلبہ ان باتوں سے مانوس ہو چکے ہیں، میں پوچھتا کہ کیا تم نے ''تاریخ الادب العربی'' میں یہ سب پڑھا ہے؟ تو طلبہ بتاتے کہ کتاب ابھی شروع نہیں ہوئی ہے، ابھی تو مولانا زبانی ہی اس موضوع پر بات کر رہے ہیں، اندازہ ہوا کہ عربی ادب کی تاریخ پڑھانے کا یہ انداز مناسب ہے؛ کیوں کہ ہمارے طلبہ اس فن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں، اس پر احمد حسن زیات کا پرشکوہ ادبی اسلوب، ان کے لیے اصل مضمون تک رسائی میں مانع بن جاتا ہے۔

مولانا مرحومؒ عربی میں مضمون نگاری کا شغل تا حیات باقی نہیں رکھ سکے، شاید مجلۃ الثقافۃ کے بعد باضابطہ عربی میں لکھنا انہوں نے ترک کر دیا تھا، راقم السطور نے مولانا کے اس زمانے کے مضامین بھی نہیں دیکھے ہیں، اس لیے مولانا کے اسلوب اور اس کی کیفیت وفنی حیثیت پر گفتگو مشکل ہے، ضرورت ہے کہ ان مقالات کو یکجا کیا جائے اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ ان کی اردو تحریر کا حال بھی عربی سے مختلف

نہیں ہے، وہ اردو بھی کم ہی لکھتے تھے، مگر جب لکھتے تو بہت عمدہ لکھتے تھے، اردو میں ان کی متعدد کتابیں موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو زبان کے ارتقائی سفر سے واقف تھے اور اردو نثر کے عصری ڈھانچے میں اپنا مدعا پیش کرنا جانتے تھے۔

خورد نوازی : مولانا کا ایک بڑا اور ممتاز وصف چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور خورد نوازی ہے، وہ چھوٹوں کو سراہتے، ان کے کاموں کی نگرانی فرماتے، حوصلہ دیتے اور علمی تعاون پیش فرماتے، اگر انہیں معلوم ہوتا کہ کسی نے کوئی کتاب لکھی ہے یا کسی عزیز کے مقالہ پر نظر پڑتی تو خوب سراہتے، دعائیں دیتے اور دوام اور تسلسل کے ساتھ کام کرتے رہنے کی ترغیب دیتے، کتنے علمی کام ان کی حوصلہ افزائیوں سے وجود میں آئے، دارالعلوم وقف دیوبند کے احاطہ میں جب حجۃ الاسلام اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا اور جناب مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند وڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی کی زیر نگرانی مجلّہ وحدۃ الامۃ کے علاوہ دیگر تصنیفی تالیفی اور تحقیقی سرگرمیاں سامنے آئیں تو وہ مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب کو اور دیگر اراکین اکیڈمی کو مبارک باد پیش کرتے، ملاقاتوں میں بھی ہمیشہ یہی پوچھتے کہ آج کل کیا لکھ رہے ہو؟ اور فلاں موضوع پر جو لکھ رہے تھے اس کا کیا ہوا، کیا وہ کتاب چھپی؟ ان کی اس طرح کی باتیں بڑا حوصلہ دیتیں۔ بیماری کے زمانہ میں بھی وہ اپنے تلامذہ اور متعلقین کی خبر گیری کرتے، فون پر احوال دریافت کرتے، متعدد تلامذہ نے بتایا کہ مولانا مجھ سے تجارت کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے، کوئی کہہ رہا ہے کہ مولانا ادارے اور متعلقہ ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے، یہ سب ان کی شفقت اور خورد نوازی کی دلیل ہے۔ طلبہ کے ساتھ ان کا انداز کافی نرالا ہوتا، وہ کبھی ناراض نہیں ہوتے، طلبہ کو اسلامی آداب واخلاق کی رعایت کی ہدایت کرتے، انہیں اسلاف اور اکابرین دیوبند کے حالات وواقعات سے کافی دلچسپی تھی، وہ ان واقعات کو بڑے مزے اور دلچسپی کے ساتھ سناتے، طلبہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے، وہ اپنے قدیم طلبہ سے بات کرتے تو ان کی بے تکلفی دیدنی ہوتی۔

مربی انسان : مولانا مرحوم ایک مربی انسان تھے، ان کے حسن تربیت سے کتنے ذرے آفتاب بنے، کتنی کلیوں نے چٹکنا سیکھا، کتنے گم نام مشہور اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان، راہی راہ وفا ہوئے، ان کے صاحب زادوں کو دیکھ کر بھی، ان کے حسن تربیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مولانا کے دو صاحب زادے ہیں، بڑے ہیں قمر الاسلام صاحب، جو پیشے سے انجینئر ہیں اور انتہائی بااخلاق، ملنسار اور سنجیدہ انسان ہیں، اور چھوٹے ہیں مولانا بدر الاسلام قاسمی جو جامعۃ امام محمد انور شاہ دیوبند میں استاذ ہیں اور مقبول ومحبوب استاذ ہیں، اپنے والد کی طرح ہی متواضع اور منکسر المزاج ہیں، علمی ذوق بھی ہے، تدریس کے ساتھ

قلم سے بھی رشتہ بنائے ہوئے ہیں، ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے، جس میں وہ التاجر الأمین کا مصداق بن کر کام کررہے ہیں، اس لیے لوگ اس کتب خانہ کو اعتبار اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان دونوں بھائیوں نے اپنے والد ماجد کی خوب خدمت کی، ان کے آرام وراحت نیز علاج ومعالجہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، حالاں کہ ان کی بیماری دراز رہی اور مالی مسائل بھی پیش آئے ہوں گے؛ مگر مولانا بدرالاسلام صاحب قاسمی اور ان کے بڑے بھائی نے کبھی بھی محسوس نہیں ہونے دیا اور خندہ پیشانی اور سعادت سمجھ کر یہ ذمہ داریاں انجام دیں، اور کوئی بات اور کوئی کام انہوں نے مروت اور وقار کے خلاف نہیں کیا، یہ بڑے اعلی ظرف کی بات ہے اور مولانا مرحوم کے حسن تربیت کا شاہ کار بھی۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا ایک سپاہی : سن ۱۹۸۱ میں قضیہ دارالعلوم دیوبند کے ہنگامہ خیز حالات اس نتیجے پر پہونچے کہ دارالعلوم سے وابستہ افراد دو حصوں میں تقسیم ہوگئے، دار العلوم دیوبند کے بیشتر قدیم اساتذہ وکارکنان، جماعت دیوبند کے سرخیل، میر کارواں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے ساتھ رہے، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی فکر، منہاج اور روشن روایات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے دارالعلوم وقف دیوبند کی بنا فرمائی، ان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ۸۵/ اساتذہ واراکین دارالعلوم وقف دیوبند کے اولین سپاہی ومعماران تھے۔ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ اس جماعت کا اہم حصہ تھے جنہوں نے قیام اور استحکام میں بھرپور حصہ لیا، انہوں نے یہاں تدریسی ذمہ داریاں قبول کیں اور بے باکی کے ساتھ ادارہ کی ترجمانی کے فرائض انجام دیے،، کئی سالوں سے مسلم شریف کی تدریس متعلق تھی، مختلف اوقات وحالات میں دورۂ حدیث شریف کی دیگر کتابیں بھی زیر تدریس ہوئیں؛ بلکہ الگ الگ اوقات میں بخاری شریف کے کچھ پاروں سمیت دورۂ حدیث کی تمام کتابوں کے پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی، حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں مجلہ الداعی کے معاون کی حیثیت سے ہوگیا، اس دن سے لے کر آخری دن تک، ان کا رشتہ دار العلوم دیوبند پھر دارالعلوم وقف دیوبند سے برابر بنا رہا، اس طرح کہنا چاہیے کہ دارالعلوم وقف دیوبند ان کی سرگرمیوں کا مرکز، ان کے تگ وتاز کی جولان گاہ اور ان کی زندگی کا نصب العین رہا۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے ابتدائی ایام کس قدر صبر آزما اور مشکلات سے لبریز تھے، آج ان کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، بس یوں سمجھ لیا جائے کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند کی تاسیس انتہائی کسمپرسی کے ساتھ ہوئی تھی، ٹھیک اسی طرح یہاں ہر طرح کے وسائل کا فقدان تھا، نہ زمین، نہ درس گاہ، نہ کتابیں، نہ سرمایہ، اس

پر اساتذہ وکارکنان کی اتنی بڑی تعداد؛ لیکن اس قافلے کے لوگ بڑے سخت جان ثابت ہوئے، صبر وبرداشت کی مثالیں قائم کردیں، مہینوں تنخواہ کا نظم نہیں ہوتا تھا؛ مگر جنونی کیفیت کے ساتھ، ادارہ کی ترقی میں مصروف رہے، دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام اور استحکام انہی سرفروشوں کا مرہونِ منت ہے۔

تعزیتی جلسہ میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے آب دیدہ ہوکر، حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کی ناقابل فراموش خدمات کا ذکر کیا اور مکمل اخلاص اور وفاداری کے ساتھ، ادارہ کے لیے ان کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کیا، مولانا مرحوم کی زندگی میں بھی، ادارہ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، بیماری کے زمانے میں بھی، ان کا مکمل خیال رکھا اور ہر موقع پر حضرت مہتمم صاحب اور جناب مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب ان کے ساتھ کھڑے رہے۔

حوصلہ مند انسان : مولانا کی زندگی کا ایک اہم وصف ان کی حوصلہ مندی ہے، وہ رجائیت پسند اور امیدوں سے لبریز انسان تھے، انہوں نے اس وقت بھی شمعِ امید فروزاں رکھی، جب ان کے اعصاب جواب دے رہے تھے اور قوائے جسم نڈھال ہورہے تھے، ملنے والوں سے اور اپنے طلبہ سے کہتے کہ میں ان شاء اللہ اگلے مہینے سے درس گاہ پڑھانے آؤں گا، بیماری کی وجہ سے جب ان کے لیے بولنا بہت مشکل تھا، ان دنوں بھی وہ اپنے کو بے بس اور عاجز نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ کوشش کرکے خوب بولتے؛ چاہے سننے والے کو بہت کم سمجھ میں آرہا ہو، دیکھا گیا ہے کہ لوگ اس طرح کی بیماریوں میں حد درجہ پریشان ہوکر، زندگی کی امید ہار جاتے ہیں اور موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں؛ لیکن مولانا مصائب وآلام کی حقیقت سے واقف تھے، انہوں نے رضا بالقضاء کو متاعِ زندگی بنا رکھا تھا، وہ آخر تک راضی برضا رہے، نہ درد کی شکایت، نہ مشکلات کا شکوہ، ہر حال میں مسکراتے رہتے اور شفایابی کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔

جہاں پہونچ کے قدم ڈگمگائے ہیں سب کے ☆ اسی مقام سے اب اپنا راستہ ہوگا

مولانا کا یہ طرز قابل تقلید ہے، آزمائشیں جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، ان کی بے شمار حکمتیں ہیں اور رب ذوالجلال کی رحمتِ بیکراں پر نظر ہو تو انسان اس دنیا کی تمام تر پریشانیوں کے باوجود، امید وآرزو کی جنت میں سیر کرنے لگتا ہے، کیوں کہ اسے پتہ ہے کہ اس رحمان کی رحمت واسعہ کو تو مغفرت کے بہانے چاہییے ،لغزشیں اور خطائیں تو انسان کا خاصہ ہیں، گناہ کس سے نہیں ہوتے ،لیکن انسان کے یہ گناہ، دریائے رحمت باری میں ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، یہی وہ احساس ہے جو کبھی کبھی انسان کے ''نیاز'' میں ''ناز'' کی کیفیت طاری کردیتا ہے، عظیم شاعر جناب اصغر گونڈوی مرحوم کے اس شعر کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے:

سنا ہے حشر میں شانِ کرم بے تاب نکلے گی ☆ لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیاں کو

ذکر کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے محدث جلیل حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ کی مجلس میں ایک مرتبہ جناب اصغر گونڈوی صاحب کا یہی شعر پڑھا گیا، تو حضرت نے فرمایا: شعر تو اچھا ہے، مضمون میں ندرت بھی ہے، بس کمی یہ ہے کہ بیتابی (جو کہ ایک اضطراری صفت ہے) کی نسبت اللہ کی طرف ہوگئی ہے، اور اللہ تعالی اس سے پاک ہے، حضرت کے اس تبصرہ کے بعد، حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوری رحمہ اللہ نے یہی مضمون اس طرح ادا کیا:

کرم کے ساتھ لامحدود رکھیں لغزشیں اپنی ☆ بقدر ظرف کیا رکھتے متاعِ ذوقِ عصیاں کو

جماعت دیوبند کے سرخیل حضرت الامام محمد قاسم النانوتویؒ پر یہی کیفیت طاری رہی ہوگی، جب انہوں نے اپنے قصیدۂ بہاریہ میں یہ شعر موزوں کیا ہوگا کہ:

یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں ☆ کیے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار

محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب مرحوم اس کیفیت سے ہمہ وقت سرشار رہتے تھے؛ متعدد ملاقاتوں میں یہ محسوس کیا کہ مولانا بیمار تو ضرور ہیں؛ لیکن وہ ایک وجد کی کیفیت میں ہیں؛ لیکن یہ کیفیت انابت الی اللہ کی راہ میں حائل نہیں ہوتی تھی، بالخصوص علالت کے آخری مہینوں میں، ایک حال سا طاری رہتا تھا، کثرت سے ذکر اور استغفار کرتے، تلاوت سنتے اور جتنا ممکن ہوتا کرتے، اسی شغل کے ساتھ، جمعہ مبارک کی صبح اپنے کریم رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

دنیا سے ہر شخص کو جانا ہے، ہر انسان کو اپنے توشۂ سفر کی کمیت اور کیفیت پر غور کرنا چاہیے، موت اہل علم اور دین کے خدام کے ظاہری جسد کو چھپا سکتی ہے، ان کے علمی آثار، ان کے دینی کارناموں کے وہ و نقوش جو دلوں میں ثبت ہیں، اور جو نسلوں میں منتقل ہو رہے ہیں، ان کو کوئی بھی مٹا نہیں سکتا، مولانا ہمارے درمیان نہیں؛ لیکن کیا ہمارا علمی حلقہ، دیوبند کی علمی فضا، دارالعلوم وقف کے بام و در اور ان کے تلامذہ انہیں بھلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ان کے انفاس کی خوشبو سے یہ چمن معطر رہے گا، ان کے لہجے کی شیرینی، ان کی وفا شعاری اور گرم گفتاری کی یادیں ہمارے دل و دماغ میں تازہ رہیں گی ان شاء اللہ۔

بارگاہ رب العزت میں دست بستہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! مولانا مرحوم کی مغفرت فرما، ان کی خدمات کو قبول فرما، ان کے سیئات کو درگزر فرما، انہیں اعلی علیین میں مقام کریم نصیب فرما، جنت الفردوس میں انہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب فرما (وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا) اور تمام پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین

لوٹ ماضی کی طرف...

مولانا محمد اظہار الحق قاسمی ❖

برصغیر میں اسلامی افکار وانقلاب کے لئے تحریک دیوبند ایک تابندہ عنوان ہے، جس کے سایے تلے اور جس کی آغوش میں نہ جانے کیسی لعل وگہر اور عہد ساز شخصیات جنم لیتی رہی ہیں، اور کائنات ارضی پر اپنے اوصاف وکردار اور افکار وخدمات کے انمٹ نقوش ثبت کرگئی ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند فکر نانوتوی اور تحریک دیوبند کا ایک ایسا جلی عنوان ہے جس سے وابستہ نابغۂ روزگار شخصیات نے گلشن علوم نبوت کی آبیاری کے ساتھ تحریک دیوبند اور فکر نانوتوی کے تحفظ میں نمایاں اور اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایسا لگتا ہے ابھی کل ہی کی بات ہے کہ راقم الحروف دارالعلوم وقف دیوبند میں زیر تعلیم ہے، اکابر ومشائخ کا ایک کارواں ہے، روحانیت کا بول بالا ہے، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کے درس بخاری میں علوم ومعارف کے بہتے آبشار اور گنجینۂ تحقیق کے بہ تسلسل پھوٹتے چشمے ہیں، وہیں متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کا تحقیق سے پُر منفرد درس بخاری سے علمی فضاء معطر ہے، تقریر انتہائی مرتکز اور منظّم کہ مسائل کے ایک ایک نکتہ کی تشریح میں وہ اپنی بھرپور توانائی جھونک دیتے ہیں۔ وہیں محدث جلیل حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کے پُر مغز درس بخاری ثانی اور درس مسلم شریف اول سے ہر صبح منور ہورہی ہے، ان کی علمی موشگافیوں کے ساتھ لہجے میں متانت وسنجیدگی طلبہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے، انداز میں جماؤ اور ٹھہراؤ، گفتگو ایسی مرتب کہ درسی تقریر نقل کرنے والا حرف حرف لکھ لے۔ مولانا حسن باندویؒ کا درس ابوداؤد، مولانا غلام نبی قاسمیؒ کا درس ترمذی، ان شخصیات کے علاوہ دیگر حضرات اساتذۂ کرام حدیث پر مکمل درک اور بصیرت کے ساتھ مسند حدیث کو رونق بخشے ہوئے ہیں۔ ان ہی شخصیات کے جھرمٹ میں ایک نمایاں اور انفرادی شان کی حامل شخصیت حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی صاحبؒ کی بھی ہے، جن سے مسلم شریف جلد ثانی کا درس متعلق ہے، جو مکمل شوکت وحشمت، رعب وجلال، عظمت ووقار اور سکون وطمانینت کے ساتھ اپنے نرالے انداز میں درس گاہ میں تشریف لاتے ہیں اور

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

پھر مکمل برجستگی کے ساتھ دوٹوک انداز بیان میں درس کا آغاز ہوتا ہے، طلبہ ہمہ تن گوش متوجہ ہیں، علوم ومعارف سے لبریز ان کے درس میں علمی موشگافیاں بھی ہیں، اور نکتہ سنجیاں بھی، انوکھی تعبیرات کا استعمال ہے لیکن لفاظی نہیں، ایک طرف اسماء الرجال کا بیان ہے تو دوسری جانب ترجمۃ الباب پر تفصیلی بحث بھی، دورانِ درس ماضی کا بیانیہ ہے تو عصری مسائل سے آگاہی بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہیکہ گویا علم حدیث کے ساتھ تاریخ ورجال کا مکمل انسائیکلوپیڈیا اپنے قلب وذہن میں اس طور پر بسائے ہوں کہ حسب ضرورت بلاتکلف اسے طلبہ کے سامنے پیش کردیتے ہوں۔ تعلیمی سال کے آغاز پر کتاب شروع کرنے سے پہلے تقریباً دو ہفتے تاریخ حدیث اور تدوین حدیث پر ہی مفصل گفتگو ہورہی ہے۔ ان کے درس میں ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک زندہ دل، متحرک، روشن ضمیر، چشم کشا، حقیقت شناس اور آفاق بیں عالم کی طرح اپنے گرد وپیش سے پوری طرح باخبر ہوں۔ درسگاہ میں وہ شگفتہ خاطر رہتے ہیں، درسی مسائل کو وہ اپنی مرتب و مربوط، سلیس وشستہ زبان میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دورانِ درس ہی مسائل طلبہ کے ذہنوں میں اتر جائیں۔ پھر ان کی فصاحتِ لسانی اور شگفتہ بیانی ہمہ وقت ان کا ساتھ دیتی ہے۔ رسوخ فی العلم، قوت استنباط، دقت نظر، سلاست بیان، فکر وتدبر، اصابت رائے، ان کے درس کے مثالی اوصاف ہیں، مشکل ترین ابحاث ومقامات کی تسہیل وتفہیم ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے، تلامذہ کی نفسیات پر ان کی گہری نظر ہے اور سنگریزوں کے ڈھیر سے گوہر آبدار نکالنے میں انہیں کمال حاصل ہے، وہ تدریسی خصوصیات کے ساتھ ترسیلی وتفہیمی قوت کے بھی مالک ہیں۔ تدریس اور تقریر ہی نہیں بلکہ عام مجلسی گفتگو کے لئے بھی یہ قوت ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ حضرات تھے جن کے وجود سے دارالعلوم وقف دیوبند کی مسند حدیث کی رونق قائم تھی اور یہ لوگ خاک آلود ہیروں کو تراشنے اور چمکانے کے فن سے واقف تھے ؂

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں ☆ روئیے کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجئے

ایک جانب درس کی رونق کا یہ حال ہے وہیں دوسری جانب جب بھی ادارہ میں کسی اہم پروگرام یا بالخصوص جلسۂ انعامیہ کے انعقاد کا اعلان آتا ہے طلبہ کی نگاہیں، ان کی سماعتیں اور ان کے قلوب جہاں ایک طرف حضرت خطیب الاسلامؒ کے قیمتی بیان ومواعظ کے منتظر ہیں، وہیں تمام اساتذہ اور طلبہ ناظم اجلاس مولانا محمد اسلام قاسمی کی نظامت کے سراپا انتظار واشتیاق ہیں، فکر نانوتویؒ، فکر دیوبند اور تاریخ دیوبند کے تعارف کے ساتھ خانوادۂ قاسمی کی عظمت کے شگفتہ ووجد آفریں بیان سے نظامت کا آغاز ہوتا ہے، اور پھر رونق اسٹیج نورانی چہروں کے تعارف اور کمالات کے بیان کے ساتھ ان کے ظریفانہ جملے، شگفتہ بیانی اور پھر اس پر بذلہ سنجی پورے اجلاس کو زعفران زار بنادیتا ہے، بالخصوص خصوصی انعام کی تقسیم کے وقت جب

حضرت خطیب الاسلامؒ اپنی جیب خاص سے نقد انعام نکال کر دیتے ہیں تو اس وقت ان کا پر کیف جملہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے، کیسا پر کیف منظر ہے اور کیسی پر بہار فضاء، کاش کہ ماضی کے وہ ایام لوٹ آتے ع

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو ☆ لوٹ ماضی کی طرف اے گردشِ ایام تو

لیکن زمانہ ہے جو بڑی سرعت رفتار کے ساتھ اس طور پر رواں دواں ہیکہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ گیارہ، بارہ سال پہلے کی باتیں ہیں، وقت کی اسی بے برکتی کی جانب ارشاد نبوی ﷺ مشیر ہیکہ ''قیامت قائم نہیں جب تک کہ زمانے قریب نہ ہوجائیں پس سال مہینے کے برابر ہوجائے گا اور مہینہ ہفتہ اور ہفتہ دن کے برابر ہوجائے گا (الحدیث) کچھ ایسی ہی صورت حال اب قائم ہے۔ اگر میں تھوڑا اور ماضی کا رخ کروں تو اپنے گھر پر، ''عطاء الرحمٰن منزل'' میں ''نعیم منزل'' میں اور ''عثمانی مسجد'' میں چند طویل القامت فخیم الجثہ شخصیات کی مجلس دیکھتا ہوں جہاں بے تکلف گفتگو کے ساتھ پر تکلف دستر خوان سجتے ہیں، ہم ان لوگوں کے مقام علمی سے قطع نظر ان کی گفتگو سے نا آشنا اور نا انجان ہوکر صرف ایک ادارہ کے ایک استاذ کے عنوان سے جانتے ہیں۔ زمانہ بیت گیا احوال بدل گئے، رونقیں ختم ہوگئیں، زمانہ نے کروٹ لی۔ پھر ایک دور وہ بھی آیا کہ ان تین افراد مجلس دو لوگوں میں منحصر ہوکر ''عثمانی مسجد'' تک محدود رہ گئی۔ پھر میری گہوارۂ علم وفکر سے وابستگی ہوئی اور ان حضرات کی عظمت ورفعت اور مقام علم وعمل سے شناسائی اس وقت ہوئی جب یہ مسند درس پر متمکن نظر آئے۔ اور بقول شاعر ع

اداس شام کی یادوں بھری سلگتی ہوا ☆ ہمیں پھر آج پرانے دیار لے آئی

پھر ایک دور وہ ہے جب میری دارالعلوم وقف دیوبند سے بحیثیت مدرس وابستگی ہوئی، اب حضرت مولانا کی شفقتیں ان کی عنایتیں اور ان کی توجہات دو چند ہوگئیں، مفید مشوروں سے نوازتے، اب استاذ کتاب کے بعد استاذ حیات کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا گر سکھاتے، وہ ہر روز اسباق سے فارغ ہوکر پابندی سے آفس تشریف لاتے، میری علمی، قلمی سرگرمیوں سے واقف ہوکر نہ صرف بے انتہاء خوشی کا اظہار کرتے بلکہ مفید آراء سے نواز کر اصلاح طلب پہلوؤں کی نشان دہی بھی کرتے اور دل کھول کر تحسین وحوصلہ افزائی فرماتے۔ اگر انہیں میری کسی قلمی کاوش کے آغاز کا علم ہوجاتا تو جب تک میری وہ تحریر مکمل نہیں ہوتی برابر اس سلسلے میں پوچھتے رہتے اور جلد مکمل کرنے کی تاکید بھی فرماتے، میری خوش قسمتی کہئے کہ میری بہت سی تحریریں ایسی ہیں جس کی اصلاح خود حضرت مولانا نے بلا کسی درخواست کے فرمائی ہے۔ یقیناً یہ ان کی غایت درجہ محبت اور ذرہ نوازی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ زندگی جینے کا حوصلہ دیا، زندگی گزارنے کے آداب سے روشناس کرایا۔ آج کے اس سائنٹفک دور میں جب کہ علم وتحقیق کی کمی نہیں ہے، علم وتحقیق کی دنیا میں

خوب علمی و قلمی طبع آزمائی ہو رہی ہے ہر روز تحقیق و ریسرچ کے نئے گوشے سامنے آرہے ہیں، لیکن اس دور میں بھی انسانیت اور اخلاق جیسی جنس گراں مایہ سے بہت سے دامن خالی ہیں، بلکہ اس باب میں بہت سے لوگ مفلس واقع ہوئے ہیں۔ مولانا اسلام قاسمیؒ آج کے اس دور میں بھی اخلاقیات کے اعلی مقام پر فائز تھے، انہوں نے اپنے اخلاق سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی، وہ خلوص اور حسن خلق کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ وہ تمام تکلفات سے الگ ہو کر بے تصنع زندگی گزارتے تھے۔ ذاتی طور پر وہ انتہائی وہ ملن سار، خوش مزاج، خوش اخلاق، خوش طبع، بذلہ سنج، باغ و بہار اور مرنجامرنج طبیعت کے مالک، ہر دل عزیز اور بلند حوصلہ انسان تھے، انہوں نے تعلقات بھی خوب نبھائے۔ ہر وارد و صادر سے تپاک سے ملتے۔ مزاج میں خوب نفاست تھی، نزاعی امور سے وہ اپنے آپ کو دور رکھتے تھے۔ سلامتیٔ فکر کے ساتھ فکری پختگی، عالی حوصلگی، سیر چشمی، خوش گفتاری، نرم خوئی، احساس ذمہ داری کے ساتھ بھرپور خود اعتمادی ان کے خاص اوصاف تھے۔ ادارہ کے اساتذہ اور طلبہ کے مابین ان کو غیر معمولی عظمت حاصل تھی۔

مجھے یاد پڑتا ہے جب دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا غلام نبی قاسمیؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' میں ان کی حیات و خدمات پر خصوصی گوشہ و محور کی اشاعت کا فیصلہ لیا گیا، تو اس کی تیاریاں شروع ہوگئیں، حضرت مولانا ان دنوں حسب معمول آفس تشریف لائے اس خصوصی گوشہ کی تیاریوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک سرد بھری آہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ''کتنی تیزی سے لوگ رخصت ہو رہے ہیں، ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ہم بھی اس دنیا میں نہیں ہوں گے اور تم اسی طرح ہمارے سلسلے میں بھی مضمون لکھو گے'' آج جب میں ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' کے خصوصی گوشہ کے لئے حضرت مولانا کی حیات و خدمات پر چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ رقم کر رہا ہوں تو مجھے رہ رہ کر مولانا کی یہ بات یاد آرہی ہے، ساتھ ہی ان کی محبتیں، ان کی شفقتیں ان عنایتیں آنکھوں کو نم کر رہی ہیں، اب چاہے انہیں چراغ رخ زیبا لیکر ڈھونڈھا جائے یا پھر عندلیب مل کے کتنی ہی آہ و زاریاں کرلیں لیکن وہ واپس آنے والے نہیں ہیں۔ اب وہ ایسے سفر کے لئے رخت سفر باندھ چکے ہیں جہاں سے اب واپسی ممکن نہیں ہے، آج لوگ ان کی خدمات کو خراج تحسین اور خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، اصحاب علم و قلم ان کے گلشن حیات سے بوئے عنبر مستعار لے رہے ہیں، وہیں ان کی رحلت سے اساتذہ طلبہ اور ان کے فیض یافتگان میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ ان کے ساتھ زندگی کے بیتے لمحات کو یاد کر کے آب دیدہ ہیں ع

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں ☆ خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

پاک طینت، نیک سیرت پیکر علم وسخن

مولانا امانت علی قاسمی ❖

راہ طلب میں جذبہ کامل ہو جن کے ساتھ ☆ خود ان کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی

ایک گمنام گاؤں کا بچہ ماں کی تڑپ اور دعاؤں کے طفیل اپنے گاؤں سے دور تعلیم کا آغاز کرتا ہے، پھر کئی دینی مدرسوں کی خاک چھان کر میدان علم میں آبلہ پائی کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کو اپنا مرکز توجہ بناتا ہے، یہاں بیہقی وقت سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتا ہے، شہنشاہ ادب کی سرپرستی میں بحر ادب میں غوطہ خوری کرتا ہے، فقہ کے آفتاب ومہتاب کی رہنمائی میں فتاوی نویسی کے میدان میں صحراء نوردی کرتا ہے، قرطاس وقلم کی باریکیوں سے باخبر فن خطاطی کے مایہ ناز اساتذہ سے خوشنویسی کا ہنر سیکھتا ہے، پھر یہ عام سا بچہ اپنی دھن، محنت، لگن، جذبہ کی اڑان، شوق کے پرواز، حوصلوں کی بلندی اور ارادوں کی پختگی سے بہت جلد وہ چیزیں سیکھ لیتا ہے جو انہیں اپنے معاصرین سے ممتاز کردیتی ہے۔ اساتذہ کی نگاہیں تاڑ لیتی ہیں، جوہری ہی ہیرے کی شناخت رکھتے ہیں وہ پہنچان لیتے ہیں کہ اس کندہ ناتراش کو اگر تراشا جائے تو یہ پارس بن سکتا ہے، باغ کے مالی کو محسوس ہوجاتا ہے کہ باغ کے اس پھول پر اگر محنت کی گئی اور اس کو سوکھنے اور ٹوٹنے سے بچایا گیا تو یہ خوشبودار پھول باغ کا سب سے قیمتی پھول بن سکتا ہے، بچے کی اٹھان بتاتی ہے کہ یہ بلندی کو چھونے کے لیے بے تاب ہے۔

اساتذہ کی نگاہِ شفقت پڑی اور گمنام لڑکا دارالعلوم دیوبند میں پندرہ روزہ ''الداعی'' مجلّہ کے لیے معاون کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا، پھر کیا تھا اڑنے کے لیے جس پر کی ضرورت تھی وہ پر مل گیا، اس نوجوان نے اپنی علمی قابلیت، انتظامی ذہانت، وفاء وامانت، اخلاص وعمل سے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنالیا، دارالعلوم کی انتظامیہ کا اعتماد حاصل کرلیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے وفاشعاروں میں شامل ہوگیا، درالعلوم کا قضیہ پیش آیا تو خلوص ومحبت کا پیکر حکیم الاسلامؒ کے ساتھ آنے والے قافلے میں شامل ہوگیا۔ اور نئے دارالعلوم کی تعمیر وترقی میں تن من دھن کی بازی لگادی، یہاں بھی

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

آپ حضرت خطیب الاسلامؒ کے نورِ نظر رہے، ان کے معتمد لوگوں میں شامل تھے اور دارالعلوم وقف اور خاندان قاسمی سے اپنی دیرینہ قلبی محبت کے ثبوت کے لیے ''دارالعلوم دیوبند اور خانوادہ قاسمی'' نامی کتاب لکھ ڈالی، جو ایک تاریخ بھی ہے تذکرہ بھی، ایک دستاویز بھی ہے اور خاندان قاسمی کے ذکر جمیل کا پرتو بھی، یہ کتاب محبت کا پیمانہ بھی ہے اور عقیدت کا نذرانہ بھی۔ اس میں جذبات کی ترجمانی بھی ہے اور احساسات کی فراوانی بھی۔

جامع اور ہمہ گیر شخصیت : دارالعلوم وقف دیوبند میں انہوں نے اپنی تدریسی زندگی محبوبیت و مقبولیت کے ساتھ گزاری، طلبہ میں گرفت تھی، محبت تھی، زبان و بیان کی سلاست و روانی، ادب کی چاشنی نے طلبہ کو ان کا گرویدہ بنادیا، ایک آدمی میں قلم کی طاقت ہو، زبان کی قوت ہو، فکر کی تابانی ہو، حافظہ کی پختگی ہو، تصنیف و تالیف کا ملکہ، تقریر و بیان کی سحر انگیزی ہو، اخلاق و کردار کی پاکیزگی ہو، رجال سازی و شخصیت سازی ہو اور ملنساری و خوش گفتاری ہو تو ظاہر ہے کہ طلبہ ہی کیا بڑے بھی ان کے اسیر بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی بڑی بڑی تنظیموں کے وہ رکن تھے، مسلم پرسنل لابورڈ کے رکن تھے، امارت شرعیہ پٹنہ کی شوری کے معزز رکن تھے اور بھی بہت سے اداروں کے سرپرست اور نگراں تھے۔

مسند تدریس کا گوہر آبدار: دارالعلوم وقف کی ابتداء ہی سے آپ تدریس سے منسلک ہوگئے تھے اور قریب چالیس تک مسند تدریس کی زینت بنے رہے، اس طویل عرصے میں آپ نے اپنی تدریسی قابلیت کا خوب مظاہرہ کیا ہے، تدریسی قابلیت کی بناء پر آپ نے ابتداء سے تمام کتابیں پڑھائیں، احادیث کی مختلف کتابوں کا درس دیا مسلم شریف کا طویل عرصے تک درس آپ سے متعلق رہا، بعض مرتبہ بخاری کے بھی کچھ اسباق آپ سے متعلق ہوئے، اس کے علاوہ احادیث کی دیگر کتابوں کو بھی پڑھانے کا شرف حاصل رہا۔ حجۃ اللہ البالغہ جیسی اہم کتاب سالوں تک آپ کے زیر درس رہیں، عربی ادب کے شعبہ کے کافی عرصے تک ذمہ دار رہے۔

بے مثال جرأت و عزیمت : اللہ تعالی نے آپ کو جرأت و عزیمت کی دولت سے مالا مال کیا تھا، بڑے حوصلے کے انسان تھے، جب کوئی رائے قائم کرتے تو اس پر ہمیشہ قائم رہتے، اپنی رائے سے اگر نقصان بھی ہو تو اس پر پشیماں نہیں ہوتے، اور نہ ہی احساس کمتری کو اپنے پاس آنے دیتے، آپ کو دیکھنے والے اس کی گواہی دیں گے کہ آپ کا عزم اخیر تک جوان تھا، اڑان ابھی جاری تھی، انہوں نے ہار نہیں مانی تھی، اور بیماری کے دنوں میں ہمیشہ عزم و ہمت کا مظاہرہ کرتے رہے اور ہر ملاقات پر کہتے کہ انشاء اللہ ایک مہینہ کے بعد دارالعلوم آؤں گا، پڑھاؤں گا سب سے ملاقاتیں کروں گا لیکن کسے معلوم تھا کہ جو پیر مغاں ملنے اور آنے کی بات کررہا ہے، پڑھانے کا حوصلہ جتا رہا ہے وہ زندگی کی جنگ ہار جائے

گا۔اور بالآخر ۱۶ جون ۲۰۲۳ء مطابق ۲۶ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ صبح آٹھ بجے اس دنیا سے ہمیشہ ہمیش کے لیے رخصت ہوگیا اور قبرستان قاسمی میں پیوند خاک ہوگیا۔

مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ ہمیں داغ مفارقت دے گئے ،اس ناسوتی دنیا سے آنکھیں موندلیں، گھر والوں کو، شاگردوں کو دوست واحباب کو اکیلا کر کے چلے گئے ،اپنی مجلس کو ویران اور مجلس کے یاروں کو ہلکان کر کے چلے گئے۔آپ کے بغیر مجلس سونی ہوگئی ،اس کی رونق بے کیف ہوگئی ،درسگاہیں اداس ہوگئیں، دارالعلوم وقف کے چمن زاروں میں پژمردگی چھاگئی لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ کی شفقت و پیار یاد آئے گی، آپ کے بات کرنے کا انداز ذہن ودماغ میں گردش کرتا رہے گا۔

پاک طینت، نیک سیرت پیکر علم وسخن ☆ وہ مربی وہ معلم، مصلح اہل زمن

تعلیم اورابتدائی احوال : حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ کی پیدائش ۱۶/فروری ۱۹۵۴ء کو جھارکھنڈ کے علاقہ جام تاڑا ضلع دمکا میں ہوئی، تعلیم کا آغاز نانیہالی علاقے بھڑا ضلع جام تاڑا سے ہوا، اس کے بعد جامعہ حسینیہ گریڈیہہ (جھارکھنڈ) مدرسہ اشرف المدارس گلٹی ضلع بردوان اور مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کی ،۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۱ء میں فراغت حاصل کی ،۱۹۷۲ء میں عربی ادب، ۱۹۷۳ء میں خوشخطی اور ۱۹۷۵ء میں افتاء کی تکمیل کی۔ یہاں آپ کے اہم اساتذہ میں حضرت مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ اور مفتی نظام الدینؒ صاحب تھے۔تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۶ء سے آپ الداعی میں بطور معاون کام کرنے لگے پھر دارالعلوم وقف کے قیام کے بعد آپ یہاں سے منسلک ہوگئے اوراخیر عمر تک یہاں خدمات انجام دیں، گویا آپ ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنہوں نے تعلیم کے لیے دیوبند کو اپنا مرکز بنایا پھر یہی دیوبند ان کا مرقد بن گیا اور اس ۵۵ سالہ عملی زندگی میں ملازمت یا تدریس کے لیے کہیں دوسری جگہ جانے کی نوبت نہیں آئی۔

خانوادۂ قاسمی سے تعلق کی نوعیت : دیوبند کے اس پچاس سالہ عرصہ میں آپ کا خانوادۂ قاسمی سے سب سے زیادہ گہرا ربط وتعلق رہا،اس کا اظہار آپ ہر جگہ کرتے تھے اور جذباتی اور والہانہ انداز میں کرتے تھے، حضرت حکیم الاسلامؒ سے آپ نے استفادہ بھی کیا تھا اوراخیر عمر تک ان کے عقیدت مندوں سے رہے، اسی طرح خطیب الاسلامؒ سے بھی آپ کے تعلقات بھی گہرے اور جذباتی اور نیازمندانہ رہے، آپ نے اپنے عشق وعقیدت کے اظہار کے لیے بلاکسی تکلف وملامت کے اندیشہ کے ’’دارالعلوم دیوبند اور خانودہ قاسمی‘‘ اور’’ دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام‘‘ نامی کتابیں لکھی ہیں۔آپ کی

تصنیفات میں ایک مقالات حکیم الاسلام بھی ہے ، اسی طرح ’’درخشاں ستارے‘‘ میں بھی حضرت حکیم الاسلامؒ پر مضمون شامل ہے۔ اخیر کے دنوں میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور حضرت مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف سے بھی آپ کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے، اور حضرت مہتمم صاحب نے بھی اخیر عمر تک ان کا بھی خیال کیا ان کے قدیم تعلقات کا پاس و لحاظ کیا، تعزیتی اجلاس میں جذباتی انداز میں انہیں خراج عقیدت پیش کیا خاص بات یہ کہ بیماری کے ایام میں بھی ان کی خاطر داری میں کوئی کمی نہیں کی۔

قرطاس و قلم کا شہ سوار : حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ اس دور کے منفرد لوگوں میں تھے، آپ کی زندگی مختلف خصوصیات کا مجموعہ تھی، کسی ایک کا تذکرہ ہی کیا آپ کی زندگی ہمہ جہت تھی، تدریس میں آپ کو کمال کا ملکہ حاصل تھا، جو بولتے تھے اور بولتے کیا تھے کہیے رس گھولتے تھے اس لیے طلبہ کے لیے لکھنا اور سمجھنا دونوں ہی سہل ہوتا تھا ، باتیں کان کے راستے دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ آپ کا قلم عربی اور اردو دونوں زبان میں یکساں تھا، آپ کی بعض کتابیں اور تحریریں عربی میں بھی ہیں آپ کی تو پہچان ہی عربی ادب کے حوالے سے تھی، ایک عرصے تک دارالعلوم وقف کے شعبہ عربی ادب کے ذمہ دار رہے، کچھ دنوں عربی میں ’’الثقافۃ‘‘ کے نام سے عربی رسالہ نکالا فراغت کے بعد ہی آپ الداعی کے معاون بن گئے تھے، پھر اس کے بعد عربی کا یہ رشتہ آپ کے ساتھ ہمیشہ قائم رہا اور آپ کی شناخت بن گیا۔

اردو ادب میں بھی آپ کا مقام کافی بلند تھا، زبان شستہ، شائستہ اور سہل ہوتی تھی، پڑھنے والا بلاتکلف پڑھتا اور عش عش کرتا جاتا ہے، آپ کی تحریریں اردو ادب کا شاہکار ہیں جس میں فکر و نظر کی پختگی ، زبان و بیان کی روانی ، اسلوب و تعبیر کی برجستگی جذبات کی ترجمانی ، ادب کی چاشنی، سب کچھ ہے اس میں خیالات کا بہاؤ بھی ہے اور لب ولہجہ کا رکھ رکھاؤ بھی۔ تاریخی تسلسل بھی ہے اور واقعات سے سبق و عبرت بھی ۔ آپ نے ایک درجن کتابیں لکھیں اور کچھ کتابیں زیر طبع تھیں ان کی کتابوں میں چند کتابیں کافی اہمیت کی حامل ہیں (۱) مقالات حکیم الاسلام (۲) دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب (۳) درخشاں ستارے (۴) دارالعلوم دیوبند اور خانوادہ قاسمی (۵) خلیجی بحران اور صدام حسین (۶) ضمیمہ المنجد عربی اردو (۷) جمع الفضائل شرح شمائل ترمذی۔

راقم کے ساتھ تعلق کی نوعیت : راقم الحروف سے حضرت کی شناسائی اور ربط و تعلق دو دہائی پر محیط ہے، جب میں دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا اسی وقت سے آپ کے نیاز مندوں میں شامل تھا، آپ کے پاس آنا جانا اور مسلسل ملاقات رہتی تھی ، جب میں افتاء اور مطالعہ شامی کے دو سالہ کورس کی

تکمیل کے بعد دیو بند آیا تو حضرت نے مجھے بہار کے ایک مدرسہ کے لیے منتخب فرمادیا اور فرمایا کہ بہار کے مدرسوں میں جو تنخواہ ملتی ہے اس سے کہیں زیادہ بلکہ سب سے زیادہ تنخواہ ملے گی تم وہاں چلے جاؤ لیکن دیگر اساتذہ کا مشورہ نہیں ہوا اس لیے میں وہاں نہیں گیا تاہم آپ سے ملاقات کا سلسلہ برابر جاری رہا پھر جب تدریس کے لیے دارالعلوم وقف دیوبند حاضری ہوئی تو روزانہ کی ملاقات رہتی تھی، آپ سبق سے فارغ ہوکر ضرور دارالافتاء تشریف لاتے اور روزانہ ہی حالات معلوم کرتے، خانگی امور پر تبادلہ خیال فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے، ایک نمایاں صفت ان کی زندگی میں یہ تھی کہ چھوٹوں اور شاگردوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے، اور ان کے کاموں کی حوصلہ افزائی فرماتے اگر کچھ اصلاح کے قابل ہوتو خود ہی اصلاح فرماتے تھے، دوسروں کے سامنے تعریف بھی فرماتے، واٹس ایپ گروپ پر بھی بعض تحریروں پر تبصرہ کرتے تھے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت نے میرا کوئی مضمون ازخود کسی گروپ کے واسطے سے پڑھ لیا اور بعد میں ملاقات پر فرمایا: ''میں نے تمہارا یہ مضمون پڑھا تھا بہت اچھا ہے لکھتے رہو'' اس مختصر سے جملے سے بہت حوصلہ ملتا تھا۔ آپ سے مربوط ہر کوئی شخص آپ کے اس وصف کی گواہی دے گا، آپ کی طبیعت میں ملنساری اور سادگی تھی، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے۔ بھاگل پور میں آپ کے درسی ساتھی حضرت مولانا یونس صاحب قاسمی ہیں اور بہت سے شاگرد ہیں اسی مناسبت سے آپ نے کئی مرتبہ بھاگل پور کا سفر بھی کیا تھا، آپ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی میں سفر سے آتا اور ملاقات ہوتی تو وطن کے حالات، اپنے ساتھی اور شاگردوں کے احوال معلوم کرتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔

اللہ تعالی نے حافظہ قوی عطا کیا تھا، واقعات کو سنہ کے ساتھ اور بعض مرتبہ مہینوں کے ساتھ بیان کرتے تھے، تاریخ سے آپ کو خاصی دلچسپی تھی، خاص طور پر مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان کی تاریخ، دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند کی تاریخ ازبر تھی، آپ کی نجی گفتگو میں بھی اور درس میں بھی تاریخ وار واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا اور آپ کے مقالات ومضامین میں بھی یہ رنگ دکھائی دیتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرتؒ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ایک بافیض باتوفیق اور باکمال عالم دین

مولانا محمد سجاد حسین قاسمی ❖

اس سینۂ گیتی پر نہ جانے کتنے اصحاب فضل وکمال، رجال فکر ونظر، اساطین علم وادب، ماہرین سیاست اور نابغۂ روزگار شخصیات آئیں اور اپنے اپنے میدانوں میں محیر العقول اور قابل قدر کارناموں کی انجام دہی کے بعد بہ قضائے الٰہی اس کائنات ارضی کو خیرآباد کہتے ہوئے ہزاروں معتقدین ومحبین، مستفیدین ومنتسبین کو نمناک وغمناک کرکے اسی فانی دنیا کی کلفتوں سے نجات حاصل کرکے مالک حقیقی سے جاملے۔ ہرایک کے اپنے کمالات وخوبیاں، ہرایک کی اپنی حسین ادائیں اور قابل رشک اچھائیاں اور ہرایک کی حیرت انگیز علمی کاوشیں اور خیرہ کن فکری نقوش وآثار ہوتے ہیں جو کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے کسی نہ کسی طرح باعث کشش ثابت ہوتے ہیں جو انسان کو مرنے کے بعد بھی جلا ودوام بخشتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ، استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند بھی ان ہی جاوداں اور محبوب ترین شخصیات میں سے ایک تھے، جو اس کلفت بھری زندگی کو داغ مفارقت دینے کے بعد ہی ہند و بیرون ہند میں آباد ان گنت علم دوست اور علم نواز حلقوں میں زندہ وپائندہ رہیں گے اور اپنی علمی ودینی خدمات کی بہ دولت عرصۂ دراز تک یاد کئے جائیں گے۔

پرکشش اور دلآویز شخصیت : دراز قامت، گندمی رنگ، گول چہرہ، آنکھیں بڑی، کشادہ پیشانی، سنجیدگی ومتانت کے پیکر، شرافت ونجابت کے مرقع، خوش اطوار، خوش مزاج، خوش پوشاک، خوش گفتار، نفاست ونزاہت میں ممتاز، شریف النفس، متحمل المزاج، خودی وخودداری، خودشناسی و خداشناسی کی بولتی تصویر، جرأت وعزیمت کا حسین امتزاج، باضمیر، بااخلاق اور بامروت انسان، علم میں گہرائی وگیرائی، وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، بصارت وبصیرت کی دولت سے مالامال، ہمدردی وبہی خواہی ان کا مزاج و مذاق، بافیض مدرس، باتوفیق معلم، لطف ومحبت کا عکس جمیل، حسنِ اخلاق کا مجسمہ، اسلامی عظمت کے پرستار، اتحاد اسلامی کے پیغامبر، صداقت وصاف گوئی میں طاق، تکلف وتصنع سے کوسوں دور،

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

چھل کپٹ سے متنفر، باہمی عداوت وشکر رنجی سے گریزاں، اشتعال انگیزی اور قنوطیت سے یکسر دور، لایعنی کاموں اور غیر ضروری مشاغل سے دامن کشاں، اپنی قابلیت وصلاحیت پر فخر وناز سے بالکلیہ احتراز ان کا شیوہ تھا۔

ثریٰ سے ثریا تک کا پر بہار سفر : اس کارگہ حیات میں نہ جانے کتنے علمی وعملی لعل وگوہر آئے جنہوں نے اپنی تابانی اور درخشندگی سے پوری دنیا کو چمکایا اور اپنی ضوفشانی سے اسے اجالا عطا کیا۔ اس سفرت حیات میں کتنے عظیم المرتبت، جوان عزم، قوتِ ارادی کی دولت سے مالا مال، دلیری وجوانمردی کے شہنشاہ، جانفشانی اور جاں کاہی کے جوہر سے نہال شخصیات نے اپنی تعمیری سفر کا آغاز کیا۔ حالات سے ٹکرائے، مشکلات کا سامنا کیا، مصائب کے سامنے سینہ سپر ہوئے، فتنوں اور یورشوں کو سپر کیا، راہِ ترقی کے سنگ گراں کو ہمت وعزیمت کے اوزاروں سے پاش پاش کر کے اپنی راہ بنائی اور بلندیوں کے منازل طے کر کے تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے اپنے نام درج کرائے۔ ان ہی باحوصلہ، باعزیمت، دلیر ونڈر اور آزمائشوں اور امتحانات کے سامنے سپر نہ ڈالنے والی ایک اہم شخصیت حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ کی تھی جنہوں نے ایک دیہات سے حصولِ علم کے لئے بادہ پیمائی کی، علمی ہیرے وجواہرات سے اپنے دامن مراد کو سجانے کے لئے کئی مشکبار اور عطر بیز علمی وعرفانی دبستانوں کا رخ کیا، ہر خوشبودار اور خوش رنگ پھول کے دلفریب نظاروں سے اپنی آنکھوں کو خوش کیا اور دماغ کو معطر کیا۔ ان کے اشہب شوق نے مختلف علوم وفنون میں انہیں دیوانہ وار سرگرم رہنے پر مجبور کیا، ان کے علمی شوق ولگن، دیدہ وری، اور جان سوزی نے ایک لمحے کے لئے انہیں اپنے مقصد کی حصول یابی سے غافل نہیں کیا۔ اس تماشا گاہ عالم میں اپنی ذات کو مختلف صلاحیتوں اور قابلیتوں سے لیس کرنے میں ہر وادی میں طبع آزمائی کی اور ہر کوچہ میں قدم رکھا۔ فن خطاطی ہو یا انشاء پردازی، خطابت ہو یا صحافت، سخن فہی ہو یا سخن سنجی، تحریر ہو یا تقریر، تصنیف ہو یا تخلیق، حتی کہ انتظامی امور کو سنبھالنے اور ملی مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں بھی آبلہ پائی کی۔ الغرض مرحوم نے اپنی شخصیت کو نکھارنے، سنوارنے اور اپنی صلاحیتوں کو بال وپر دینے کے لئے حتی المقدور کوشش کی اور ہر میدان میں اپنے معاصرین میں فائق وممتاز نظر آئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ طفل مکتب جس کی تعلیم کا آغاز ایسے گھرانے سے ہو جہاں نہ تو علم کا چرچا ہو اور نہ ہی علم وفن کی قدر ہو، جس کے خاندانی پس منظر میں اصحاب فضل وکمال کا وجود تو درکنار، وہ خانوادہ ہی علم دین کے معتبر ومستند علماء سے خالی ہو وہ اگر علمی میدان میں قدم رکھے اور جہد مسلسل، بے پایاں شوق اور بے انتہا جذبے کی دولت سے علمی حلقے میں اپنا نام پیدا کرے، اپنی ایک منفرد اور جداگانہ شناخت قائم

کر کے مطلع علم وادب پر جگمگانے لگے تو یہ اس کے کمال اور تفوق کی دلیل بھی ہے اور اس کے لئے یہ سرمایہ فخر ونازبھی ہے۔اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ مولانا اسلام قاسمیؒ ایک دورافتادہ علاقہ کے پردہ خاک سے نکل کرسن شعور کی آنکھیں ایسے ماحول میں کھولیں جہاں نہ حرف آشنائی اور علم دوستی کی کوئی قدر و قیمت تھی، نہ ہی حصولِ علم کے لئے کوئی تحریک یا تشویق تھی، نرادیہات جہاں دور دور تک نہ دانش گاہ اور نہ مدرسہ تھا جہاں یہ ہونہار بچہ اپنی علمی تشنگی کو بجھا سکے، اپنی خداداد صلاحیتوں کو مہمیز لگا سکے اور اپنے فطری جوہر کو آنچ دکھا سکے۔ بہرصورت کاتب تقدیر نے اس ذہین وفطین، زیرک وہوشمند، محنتی و جفاکش، مثبت سوچ کے حامل اور منفی ذہنی ساخت سے خالی، طالب کی تقدیر میں ایک نمایاں استاذ، ایک معتبر قلم کار، ایک خوش خط خطاط، ایک مستند محدث، ایک کہنہ مشق ادیب، ایک بے باک صحابی وانشاء پرداز، ایک ہردلعزیز مربی، ایک دوررس مفکر، ایک وسیع المطالعہ محدث اور ایک قابل و مستند مؤرخ بنا لکھ رکھا تھا۔

سب سے نمایاں اور قابل تقلید امر یہ کہ ایک نامعلوم، گمنام اور دورافتادہ علاقہ سے رخت سفر باندھنے والا شائق علم کس قدر برق رفتاری سے ہر میدان میں اپنا سکہ جماتا گیا اور ہر محفل کا صدرنشین بنتا گیا۔غور کرنے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

ھدف پر ترکیز اور کچھ کر گزرنے کاجنون : اس بات سے کسی صاحب عقل وخرد کو قطعاً انکار کی گنجائش نہیں کہ خاکی پیکر انسان کمزور بھی ہے اور طاقتور بھی، کمزور اتنا کہ ہر کام کے آغاز سے قبل خدشات سے خائف اور نتائج کے تئیں پس وپیش کا شکار رہتا ہے اور کئی دن اسی تردد اور کشمکش میں گزر جاتا ہے کہ اس کام کا بیڑا اٹھائیں یا ترک کریں۔ یہی انسان جب قوت ارادی کے جوہر سے لیس ہوکر عزیمت کی طاقت سے مسلح ہوکر کسی مشکل ترین اور سنجیدہ کام کی انجام دہی کے لئے کمربستہ ہوجاتا ہے تو ہمالیہ کی بلندی بھی اس کے سامنے اپنی کوتاہ قامتی کا شکوہ کرنے لگتی ہے اور سمندر کی وسعت بھی اپنی تنگی کا گلہ کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ الحاصل مولاناؒ نے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے اور حیات مستعار کو قابل قدر بنانے کے لئے ہمہ وقت فکرمند رہے، اپنے نصب العین کو سامنے رکھا، زندگی کو کامیاب اور قابل تقلید بنانے کے ہر قسم کے جتن کیے، اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے ہمیشہ سعی پیہم اور جہد مسلسل میں لگے رہے اور چوں کہ یہ دستور ربانی ہے ”لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی“ کہ انسان کو اس کی کوشش کا صلہ مل کر رہتا ہے، نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:”اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا“ نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ہم رائیگاں نہیں کرتے ہیں۔الغرض حضرتؒ اپنے طے کردہ ہدف پر ترکیز اور توفیق ربانی کی بہ دولت قلیل عرصے میں ہر محاذ پر نمایاں اور منفرد نظر آئے اور دوسروں کے لئے نمونہ واسوہ بن کر ابھرے۔

گراں مایہ سرمایۂ حیات کی قدردانی : دنیا میں انسان کی سب سے گراں قدر سرمایہ اس کا قیمتی وقت ہوتا ہے، وقت کی اہمیت اس کی قدردانی اور اس کے صحیح استعمال سے انسان کی ترقیات کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ وقت انسان کو اپنے دور کا قلندر اور اپنے عہد کا سکندر بنایا ہے۔ فرصت کے اوقات کو کارآمد بنانے والے رجال کار کو دنیا کے ہر میدان میں سرخروئی واقبال مندی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ نے اپنی حیات مستعار کے ایک ایک لمحے کو بڑے سلیقے اور احتیاط سے علمی وفکری کاموں میں کھپایا اور تدریس وتصنیف کی سنگلاخ وادی میں اپنی عمر عزیز کے گراں مایہ اثاثہ کو بے حد خوبی وخوش اسلوبی سے صرف کر کے اپنے پیچھے کئی ایک نادر اور معلومات افزا کتابیں چھوڑیں جو نسل نو کی علمی بالیدگی اور فکر ونظر کی بلندی کے ایک عظیم سوغات ہیں۔ وقت کی پابندی اور ضیاع وقت سے تنفر نے انہیں اپنے احباب پر تفوق و برتری بخشا اور ان کو جاودانی ودوام عطا کیا۔

مثبت فکر سے متصف اور جذباتیت سے گریزاں : رب کائنات نے انسان کی فکر وسوچ کا سانچہ کچھ ایسا بنایا ہے کہ کبھی وہ پیش آمدہ واقعات وحوادث کے بارے میں مثبت سوچتا ہے اور کبھی وہی انسان اچھی اور خوشگوار چیزوں کے بارے میں منفی سوچ قائم کرتا ہے۔ مثبت سوچ کے حاملین ہمیشہ زندہ دل، خوش وخرم، باغ وبہار اور نہال رہتے ہیں۔ جذباتیت سے دوری اور اشتعال انگیزی سے نفوران کا شیوہ ہوتا ہے۔ وہ ناخوشگوار چیزوں میں خوشگوار چیزوں کے متلاشی ہوتے ہیں اور زندگی کے پرپیچ اور پرخار وادی میں بھی ہمہ وقت مگن رہتے ہیں اور اپنا سفر پوری تیز گامی سے جاری وساری رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ حضرات جن کی سوچ میں کجی ہو اور منفی چیزوں سے متاثر ہوں وہ ہمیشہ اعصابی تناؤ، ذہنی پراگندگی، فکری الجھاؤ کے شکار رہتے ہیں، آسان مسئلے کو پیچیدہ اور مشکل بنانے کی سوچتے ہیں، وہ خوش گوار زندگی کو بھی منفی سوچ کی گندگی سے مکدر کر دیتے ہیں، وہ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے وبال جان ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا اسلام صاحبؒ کو خدا تعالیٰ نے مثبت سوچ کی دولت فراواں سے مالا مال کیا تھا، وہ حالات کی خرابی اور زندگی کی ناہمواریوں اور تلخیوں کو اپنی کامیابی کا مقدمہ باور کرتے تھے، وہ حالات کو اپنے عزم واستقلال میں شان چڑھانے، ہمت وحوصلہ کے بازو و پر کو تیز کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ☆ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

خیر مولانا کی کامیاب، خوشگوار اور خوشحال زندگی کا راز ان کا ایجابی سوچ سے اتصاف اور جذباتیت وانفعالیت سے اجتناب میں پنہاں تھا۔ ایجابی فکر کے جوہر نے انہیں ہر موڑ پر سرخرو اور ہر مشکل گھڑی میں مضبوط ومستحکم کر رکھا تھا۔

رجائیت پسندی کے خوگر اور ناامیدی سے نفور: حضرت مولاناؒ رجائیت پسند اور امید وپیہم کے عاشق انسان تھے، ان کے دل میں ہمیشہ امید وآس کی قندیلیں فروزاں رہتی تھیں، وہ زندگی میں کبھی ناامیدی اور مایوسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے تھے، وہ حالات کی تاریکی اور مشکلات کی شب دیجور میں امید وبیم کی شمع جلا کر چمن حیات کو یاس وقنوط کی پرچھائیوں سے پاک صاف کرتے تھے، وہ کبھی بھی ناامیدی اور مایوسی کے منحوس بادل کو اپنے سر پر منڈلانے کا موقع نہیں دیا کرتے تھے، بل کے امید وبیم کی شمع فروزاں سے اپنے دل کی دنیا میں ہمیشہ اجالا قائم رکھا گویا کہ انہوں نے علامہ اقبالؒ کے اس شعر کو اپنی زندگی کا اصول بنا رکھا تھا:

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ☆ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

یہی وجہ ہے کہ عمر کے آخری پڑاؤ میں جب اس مرد قلندر پر فالج اور دورۂ قلب کے پیہم حملے تابڑ توڑ ہوئے اور وہ بھی عین اس وقت جب سردی شباب پر تھی جس میں بڑے بڑے جوان سال، متحرک و فعال نوجوانوں کو سردی کی لہر سے ٹکرانا تو دور، گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو رہا تھا، اس مردِ میدان تسلیم و رضا سے تقدیر الٰہی کی ہر آنے والی مصیبت کا خندہ پیشانی اور صبر وشکر کے ساتھ استقبال کیا اور ان دونوں مہلک و جان لیوا بیماریوں کو مسکراتے ہوئے برداشت کیا۔ پوست استخواں سے بنا جسم نحیف و نازک ان جان کاہیوں کی تاب کیا لاتا، صحت روز بروز بگڑتی گئی، قویٰ مضمحل ہوتے گئے، تاب وتواں جواب دے چلی، چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، ایسے وقت میں بھی ملنے جلنے والوں سے خندہ پیشانی سے ملتے، ان کے احوال معلوم کرتے اور دوبارہ درس حدیث جاری کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کرتے، وہ خود مریض تھے، نحیف تھے اور بے بس تھے، لیکن ملنے والے اساتذہ وزائرین سے اس قدر بے تکلفی سے بات کرتے کہ سب کا غم غلط ہو جاتا اور سب خوش وخرم واپس آتے۔ یہ درحقیقت رجائیت کا وہ جوہر سیماب تھا جو انہیں بولنے، احوال معلوم کرنے اور زندگی سے لطف اٹھانے میں ان کے حوصلے کو مہمیز لگاتا۔

استقامت و استقلال کا کوہِ ہمالیہ: مرحوم کی حسین زندگی کو حسن و جمال، رنگ وآہنگ اور آب وتاب بخشنے میں سب سے نمایاں کردار وشب وروز کے معمولات پر ان کی استقامت اور راہِ علم وعمل سے درپیش رکاوٹوں کے سامنے ان کی اولوالعزمی اور ثابت قدمی تھی۔ مستقل مزاجی، خود اعتمادی و خدا اعتمادی، ہمت وحوصلہ، صبر وثبات، بیدار مغزی کی فروانی، معرکۂ حیات میں ان کے لئے قندیل راہ تھی۔ وہ اپنی استقامت کے بل بوتے اور ربانی توفیق کی عظیم سوغات کی بدولت اپنی زندگی کی الٹ پھیر، مصائب کے پیہم حملوں کے باوجود کام میں مگن ومست رہتے، ان کا دل ودماغ، قلب وقالب، فکر ونظر، استقامت و

استقلال کی دولت بیش بہا کی بخششوں سے شب وروز حوصلے پاتے رہتے۔ ان کی زبان نکتہ سنجیوں میں مصروف اوران کا دوررس ذہن علمی جواہر پاروں سے نسل نو کو بہرہ ور کرنے میں منہمک۔ انہوں نے دنیوی حالات کو کبھی دائمی نہ بننے دیا، وہ زندگی کے بارے میں یہ یقین رکھتے تھے کہ اس کے نشیب وفراز، اس کے اتار چڑھاؤ، اس کے شیریں وتلخ روش میں ہی ایک انسان کی شخصیت کے نکھرنے، سنورنے اور چمکنے کا موقع ودیعت کیا گیا ہے۔

مختلف فنون پر قدرت وکمال اور اس کا صحیح استعمال: مولانا محترم کو خدا تعالیٰ نے گونا گوں خوبیوں کے ساتھ نوع بہ نوع کی ہنرمندیوں اورصلاحیتوں سے نوازا تھا، انھوں نے خدا کی عطا کردہ ہر صلاحیت کی قدردانی کی اس میں رنگ بھرنے کے لئے اپنی صلاحیت کو اس میدان میں لگایا جہاں اس کی بروقت ضرورت تھی، اوراس حاصل شدہ فن کو زنگ نہیں لگنے دیا؛ بلکہ اگر اس فن میں کمزوری یا کوئی کمی محسوس ہوئی یا اس میں کسی طرح کی دقت کا احساس ہوا تو فوری طور پر اس کو تقویت واستحکام بخشنے کے بہانے ڈھونڈ لاتے، مثلاً تدریس ان کا اپنا محبوب مشغلہ اوران کی دلچسپی کا سامان تھا، تدریس اوران کی زندگی میں دھوپ چھاؤں اور چولی دامن کا رشتہ تھا تدریس کے بغیر وہ ماہی بے آب نظر آتے تھے جیسا کہ عمر کے اخیر ایام میں دیکھنے کو ملا، لیکن تدریس کی صبر آزما اور وقت طلب مصروفیت نے انہیں علمی کاوشوں اور تحقیقی مضامین کی تحریر وترتیب سے کبھی نہیں روکا؛ بلکہ ان کا اشہب قلم تحریری جولان گاہ میں ہمیشہ تیز گام اورسرگرم عمل رہا، جس کے نتیجے میں کئی ایک قیمتی ومعلومات افزاء اوروقیع کتابیں مختلف موضوعات پر لکھ کر داد تحسین وصول کرنے میں کامیاب ہوئے۔ خطاطی کے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے، خفی وجلی، عناوین وسرخیوں کی دل آویز، دیدہ زیب اور دلکش کتابت میں طاق تھے، ان کی تحریر میں بلا کی کشش، جاذبیت، خوش نمائی وبرنائی تھی، جو قاری کی نگاہ کو مسرور اور خوش کرتی تھی، اسی لئے باذوق اہل مطابع کو کتابوں کے سرورق پر کچھ لکھانے کے لئے کئی کئی ہفتہ انتظار کرنے پڑتے تھے۔ اسی طرح مولانا میدان خطابت کے شہسوار بھی تھے اور یہ جوہر میں نے طلبہ کے پروگراموں کے ساتھ ساتھ جامعہ کے افتتاحی واختتامی اجلاس میں خوب دیکھا ہے۔ ان کی خطابت، چیخ وپکار، تصنع وتکلف، آمد کے عیب سے پاک تھی، ان کی گفتگو میں زور بیان، الفاظ کی فراوانی، جملوں کی چستی وپھرتی، افکار کی رنگارنگی، کلام میں ربط وانضباط، موضوع پر ارتکاز، نفسیات کی رعایت اور اشارات کا اہتمام شامل تھا، چنانچہ اپنی ہنرمندیوں اور کمالات سے بھرپور استفادہ کیا اورانہیں کام میں لانے سے قطعاً گریز نہیں کیا، ورنہ اس جہان رنگ وبو میں کتنے ایسے باکمال اور ہرفن مولا حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ایک ہی صلاحیت پر ترکیز کرنے میں اور

بقیہ صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

مرحوم کی مقبولیت ومحبوبیت کا راز : یہ ایک حقیقت ہے کہ اس جہاں رنگ وبو میں نہ جانے کتنے قابل اور باکمال لوگ پیدا ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ نے کمالات وقابلیتوں کا حظ وافر عطا کیا تھا؛ لیکن عملی زندگی میں قابلیت وصلاحیت کے بقدر انہیں مقبولیت ومحبوبیت نصیب نہ ہوسکی، مختلف علوم وفنون میں کامل دسترس رکھنے والے کتنے نابغۂ روزگار ایسے ہیں جن سے دنیائے انسانیت کسب فیض تو کیا کرتی ان کے نام وکام سے آشنا نہ ہوسکی۔ درحقیقت محبوبیت ومقبولیت کے لئے جہاں توفیق ربانی وتقدیر الٰہی کا عمل دخل سے وہیں بندہ کے عمل، طرز حیات اور تعامل کا بھی بڑا رول رہا ہے۔ ایک شخص علم وحکمت کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر ہو اور گنجینۂ دانش ومعرفت ہو؛ لیکن معاشرتی زندگی سے نابلد ہو تو وہ تمام تر کمالات وہنرمندیوں کے باوجود علمی وعملی میدان میں ناکام ونامراد نظر آتا ہے، اس کے برعکس ایک آدمی کسی فن پر عبور بھی رکھتا ہو، اس کی ترسیل وترویج کے ہنر سے بھی آشنا ہو تو اس کے لئے سماج میں اپنا نام پیدا کرنا اور قابل دید کارناموں کو انجام دینا آسان ہوتا ہے اور سماج میں محبوبیت ومقبولیت حاصل کرنا اسے بہ آسانی میسر آتا ہے۔ مولانا اسلام صاحب قاسمیؒ کو خدا تعالیٰ نے مختلف فنون میں کمال ودرک بھی عطا فرمایا تھا اور سماجی زندگی جینے کا صحیح سلیقہ بھی؛ اس لئے وہ دارالعلوم وقف دیوبند کے مشائخ کے نور نظر رہے، اساتذہ کا اعتماد حاصل کیا، اپنے احباب میں مقبول رہے، انتظامیہ کا دل جیتا، طلبہ کے مابین محبوب ومقبول اور ہر دل عزیز رہے، ان کی مقبولیت کا راز ذیل کے نقاط میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) علم میں گہرائی وگیرائی، اضافۂ علم میں سدا کوشاں، حکمت ومعرفت سے خانہ دماغ کو معمور رکھنا، فکری وعقلی بالیدگی کے لئے مطالعہ کو ہمیشہ تازہ رکھنا۔

(۲) احساس ذمہ داری اور اس کی ادائیگی کی فکر اور بہ وجہ احسن انجام دہی کے بعد انبساط نہ کہ انقباض؛ اپنے فرض منصبی کو نبھانے کے تئیں چاق وچوبند اور اپنی ممکنہ صلاحیتوں کو اس کی تحسین میں کھپانے کے لئے بے تاب۔

(۳) انسان فی العمل : مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی مفوضہ کام کی انجام دہی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ بس کام کو سر سے اتار دیا جائے اور جیسے تیسے لیپا پوتی کر کے اپنی جان چھڑالی جائے؛ بلکہ ان کے ہر کام میں خوبی، سلیقہ مندی، اہتمام والتزام، عمدگی وبہترائی کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی، وہ کسی کام کو محض اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ اسے ایک محبوب مشغلہ اور مسرت انگیز عمل سمجھ کر انجام دیتے تھے؛ اس لئے کسی چیز کی تکمیل اور کس امر کی انجام دہی سے ان کے ذہن ودماغ، جسم وجان پر کبیدگی کے اثرات مرتب

نہیں ہوتے تھے۔

(۴) اکابر کا احترام، احباب کا اکرام اور چھوٹوں پر شفقت جیسے اچھے اوصاف نے انہیں سب کی نظر میں یکساں محبوب و پیارا، ہر دل عزیز بنا رکھا تھا، اکابر کا ذکر احترام سے لینے کو اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتے اور ان کے تذکرے کو اپنے لئے گراں مایہ سرمایہ سمجھتے تھے، اپنے معاصرین کی خوبیوں کا اعتراف ان کی کاوشوں پر ان کی حوصلہ افزائی اور مبارک باد دینے کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور ان کے کاموں کی جم کر پذیرائی کرتے۔ اپنے کسی ہم عصر پر بے جا تبصرہ، نامناسب جملہ چست کر دینے سے گریزاں تھے۔ خردوں کے ساتھ عجیب وغریب اپنائیت اور الفت جتاتے، خواہ وہ آپ کا شاگرد ہو یا نہ ہو۔ اگر ایک مرتبہ رابطہ ہو گیا اور پھر ملاقات ہوئی تو اس کے احوال وکوائف اور جملہ سرگرمیوں کے بارے میں استفسار کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے، وہ حوصلہ شکنی کرنا جانتے ہی نہ تھے، ان کا دل کدورت وکینہ سے یکسر پاک صاف تھا اور ان کے قلب میں ہر ایک کے لئے یکساں احترام وتوقیر کے لئے جگہ تھی۔ وہ تعلّی، تکبر اور زعم پندار کے جراثیم سے منزہ تھے، وہ سادہ، بے تکلف اور سماجی زندگی گزارنے میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔

(۵) خلق عظیم کی عملی تفسیر تھے، وہ فطرتاً نیک دل، پاک طینت، سراپا شرافت وانسانیت، سراپا خلق ومروت، سراپا مہر ومحبت اور سراپا فضل وکمال تھے، دل آزاری ودل شکنی، ایذا رسانی اور فتنہ پروری سے بیزار، بلکہ اس کے سایہ سے دور رہنے والے تھے۔

بہر صورت مرحوم مجموعۂ خوبی تھے اور اوصاف وکمالات کے مخزن؛ جدت وقدامت سنگم، دین ومذہب کا علمبردار، علم وفن کا شیدائی، تصنیف وتالیف کا رسیا، تعلیم وتدریس کا بے تاج بادشاہ، تحریر وانشاء کا شہسوار، خطابت ووعظ کا بے مثال بادشاہ اور ہر مجلس کا صدر نشین طویل علالت کے بعد اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہتے ہوئے ہزاروں معتقدین ومتعلقین کو سوگوار کر کے یوں رخصت ہو گیا کہ آج صرف اس کے جانے کا ماتم نہیں ہے؛ بل کہ فضل وکمال کا ماتم ہے، علم وفن کا ماتم ہے، خلق وشرافت کا ماتم ہے؛ بلکہ آدمیت ومروت کا ماتم ہے اور پورا حلقۂ علم وادب سوگوار ہے کہ روایات قاسمی کا پاسبان اور اسلامی اقدار کا نقیب وترجمان علمی حلقہ کو نمناک کر کے چل دیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے۔

آتی ہی رہے گی ہر دم تیرے انفاس کی خوشبو ☆ گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

❀......❀......❀